حدیث توسل ضریر کی صحت پر ناقابل تردید دلائل

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو وسیلہ کی تعلیم دی؟

تصنیف

امام عبداللہ الصدیق غماری

ترجمہ
مولانا رسول بخش سعیدی

نظر ثانی
مفتی محمد خان قادری

بلی کیشنز۔ لاہور

حدیث توسلِ ضریر کی صحت پر ناقابلِ تردید دلائل

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو وسیلہ کی تعلیم دی؟

تصنیف

امام عبداللہ الصدیق غماری

ترجمہ
مولانا رسول بخش سعیدی

نظر ثانی
مفتی محمد خان قادری

حجاز پبلی کیشنز ۔ لاہور

نام کتاب	کیا حضور ﷺ نے صحابہ کو وسیلہ کی تعلیم دی ؟
تصنیف	امام عبد اللہ الصدیق غماریؒ
ترجمہ	مولانا رسول بخش سعیدی
نظر ثانی	مفتی محمد خان قادری
ناشر	حجاز پبلی کیشنز دربار مارکیٹ لاہور
زیر اہتمام	محمد اسلم شہزاد
بار اوّل	اپریل1999ء
تعداد	گیارسو1100
قیمت	

الاھداء

اس نابینا صحابی کے نام
جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وسیلہ کی تعلیم دیتے ہوئے یہ دعا سکھائی۔

اللھم انی اسئالک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فی

(اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں میں تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں متوجہ ہو رہا ہوں۔ یا محمد آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں یہ حاجت لے کر حاضر ہو رہا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کر دی جائے۔

(جامع ترمذی، ابواب الدعاء)

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

مُفتی محمدخان قادری

امت مسلمہ کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ بارگاہ الہٰی میں اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں اس پر کتاب و سنت میں جو متعدد دلائل ہیں ان میں سے ایک اہم دلیل حدیث توسل ضریر (نابینا) ہے۔ ہمارے دور میں بعض اہل بدعت نے ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ پیش کردہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں پھر تمام اصول حدیث کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کی ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ غماری نے خوب کہا۔

لهم مسلک عجیب! تراهم یستدلون لمایوافق مرادهم بالاحادیث ویغمضون عما فی بعضها من ضعف، ویدعمون ماستطاعوا ان یدعموه منها۔ فاذا صدموا بحدیث یرد رایهم۔ انحرفوا عنه وحاولوا تضعیفه جهد طاقتهم، ولم یقبلوا دعمه ولا تقویته، واصروا فی عناد علی التخلص منه، کفعلهم فی حدیث الضریر

(لیکن ان کا مذہب ہی عجیب ہے۔ ان کی خواہشات کے مطابق کوئی حدیث آ جائے تو ضعیف کیوں نہ ہو فوراً" قبول کر لیتے ہیں اور اسے قوی بنانے کے لئے پوری قوت صرف کر دیتے ہیں لیکن جب کوئی حدیث ان کی رائے سے ٹکراتی ہو اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور اسے ضعیف قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اور اس کی تقویت کے تمام دلائل کو رد کر دیتے ہیں۔ اور عناداً" اس کے خلاصی پر اصرار کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے حدیث "ضریر" میں کیا۔)

امام عبداللہ صدیق غماری رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو روز روشن کی طرح صحیح ثابت کرنے کے لئے مکمل کتاب لکھی جس کا نام "غايه التحرير فی بيان صحة حديث توسل الضرير" رکھا۔

ہمارے دوست علامہ رسول بخش سعیدی نے بڑی محنت سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اور موصوف نے ہی شیخ غماری کی کتاب "نهاية الامال فی صحة وشرح حدیث عرض الاعمال" کا ترجمہ بھی کیا تھا جو "نگاہ نبوت اور مشاہدہ اعمال امت" کے نام سے ہم نے شائع کیا۔ جس میں واضح کیا گیا ہے کہ جس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں امت کے اعمال پیش کرنے کا تذکرہ ہے وہ صحیح ہے اللہ تعالیٰ مصنف اور مترجم کی سعی کو قبول فرماتے ہوئے امت میں پیدا کردہ غلط فہمیاں دور فرمائے۔

یاد رہے اہل بدعت نے زیارت بارگاہ نبوی اور توسل ذات نبوی کے حق میں پیش کردہ احادیث پر جو اعتراضات بھی کئے ان کا مسکت جواب محدث کبیر شیخ محمود سعید ممدوح دبئی نے "رفع المنارہ لتخریج احادیث التوسل والزیارہ" میں دیا ہے اس کا ترجمہ دو حصوں میں شائع ہو رہا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے انہیں پڑھیں سمجھیں اور امت کے ہر فرد تک پہچانے کی کوشش کریں تاکہ امت افتراق و انتشار سے محفوظ ہو جائے۔

اسلام کا ادنیٰ خادم

محمد خاں قادری

بروز جمعرات 12 بجے دن

حجاز پبلی کیشنز لاہور

8 اپریل 1999ء

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اللهم لک الحمد حمداً کثیراً خالداً مع خلودک ولک الحمد حمداً لامنتهی له دون علمک ولک الحمد حمدا لا منتهی له دون مشیئتک ولک الحمد حمدا لا اجر لقائله الا رضاک ونسالک اللهم ان تصلی افضل الصلوات علی افضل المخلوقات واکمل الکائنات سیدنا محمد عبدک ورسولک وصفیک وخلیلک الذی اعلیت منزلته واعظمت کرامته وقبلت شفاعته وانلته من المنح والعطایا ما لم ینله احد من العالمین وارض اللهم عن آله الطیبین الطاہرین وخیار صحابته من الانصار والمهاجرین اما بعد: اس مقالہ میں میں نے توسل الضریر والی حدیث کے متعلق گفتگو کی ہے اصول حدیث اور اس کے قواعد کے مطابق میں نے اس حدیث کی صحت کو بیان کیا ہے اور اس پر جو اعتراضات و سوالات کئے گئے ان کے جوابات دیئے پس یہ حدیث جن متعدد وجوہ سے توسل کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ انہیں احسن طریقہ سے واضح کیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سارے فوائد و مباحث (جن کا توسل کے ساتھ تعلق و ارتباط ہے) کو ذکر کیا ہے میں نے اس کا نام"

غاية التحرير فی بيان صحة حديث توسل الضرير "رکھا ہے۔ الحمدللہ میں نے اس جزو میں اس طرح طرق حدیث کو تکمیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اس سے پہلے کسی کتاب میں بھی اکٹھے اس طرح ہمیں نہیں ملیں گے۔ دراصل اس بحث کا باعث تحریر یہ ہوا کہ میں نے حدیث مذکور کے منکرین (جو وہابیہ نے نام سے موسوم ہیں) کو دیکھا جو بغیر علم و ثبوت کے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ وہ اتنے خبطی واقع ہوئے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دیدہ دلیری سے کام لینے لگے انہیں اپنے انجام بد کا بھی ڈر نہ رہا حالانکہ اللہ کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (جسے میری حدیث پہنچی اور اس نے اسے ٹھکرا دیا تو اس نے تین چیزوں کا انکار کیا۔ ۱۔ اللہ رب العزت کا ۲۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ۳۔ اور اس حکم کا جو اسے حدیث کے ذریعہ دیا گیا) اسے طبرانی نے "اوسط" میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے اس کے سند میں محفوظ بن میسور ہے جسے ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے ان کے بارے جرح و تعدیل کا ذکر نہیں کیا اور جس نے بغیر عذر مقبول کے صحیح حدیث کو رد کیا محدثین کہتے ہیں وہ فاسق ہے۔ لیکن وہابیہ کا تو مذہب ہی عجیب ہے۔ ان کی خواہشات کے مطابق کوئی حدیث آ جائے تو ضعیف کیوں نہ ہو فورا" قبول کر لیتے ہیں اور اسے قوی بنانے کے

لئے پوری قوت صرف کر دیتے ہیں لیکن جب کوئی حدیث ان کی رائے سے ٹکراتی ہو اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور اسے ضعیف قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اور اس کی تقویت کے تمام دلائل کو رد کر دیتے ہیں اور عنادا" اس سے خلاصی پر اصرار کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے حدیث "ضریر" میں کیا انہوں نے اس کی سند میں کوئی کمزوری نہ پائی مگر "ابو جعفی" کے بارے امام ترمذی کی یہ بات کہ وہ غیر خطمی ہے اسے انہوں نے قابو کر لیا اور اسی پر جم رہے۔ تاکہ اسے کمزور قرار دے کر اسے رد کر دیں۔ لیکن انہوں نے امام ابن ابی خیثمہ، امام طبرانی، امام حاکم، اور امام بیہقی کی بات کی پرواہ نہ کی کہ ابو جعفر خطمی ہی ہے۔ اور نہ انہوں نے ابن تیمیہ کی طرف دیکھا جنہوں نے ان حفاظ حدیث کی تصدیق کی اور امام ترمذی کی بات کا رد کیا اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کون سی ہو گی کہ خود امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور خصوصا" منذری، ابن تیمیہ، امام ذہبی، علامہ ہیثمی اور امام سخاوی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے یہ قبول حق سے تکبر و عناد کے سوا اور کچھ نہیں، جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صادق آتا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس تکبر کے بارے پوچھا گیا جو متکبر کو دخول جنت سے روک دے گا تو آپ نے فرمایا الكبر بطر الحق وغمط الناس (تکبر حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔)

ہم اللہ رب العزت سے اپنے لئے اور ان کے لئے ہدایت اور توفیق کی دعا کرتے ہیں۔

ابو الفضل

عبداللہ محمد الصدیق الغماری عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث کی تخریج اور اسناد کا بیان

امام ترمذی نے جامع کے ابواب الدعاء میں کہا کہ ہمیں محمود بن غیلان نے، انہیں عثمان بن عمر نے حدیث سنائی، اور انہیں شعبہ نے ابو جعفر سے اور انہیں عمارہ بن خزیمہ بن ثابت نے عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے کہ ایک نابینا آدمی نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ اللہ رب العزت سے دعا مانگیں وہ مجھے عافیت عطا فرمائے تو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر کر لو تمہارے لئے بہتر ہے وگرنہ تمہاری خواہش کے مطابق دعا کر دوں، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا جاؤ پہلے بہتر انداز سے وضو کرو پھر یہ دعا پڑھو اے اللہ میں تجھ سے عرض کرتا ہوں، اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں یہ حاجت لیکر حاضر ہوتا ہوں کہ وہ حاجت پوری کر دی جائے۔ اے اللہ میرے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما دعا کے الفاظ یہ ہیں۔

اللھم انی اسئالک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی

الرحمة یا محمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذہ لتقضی لی اللهم فشفعه فی

امام ترمذی نے فرمایا: اس سند سے یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔ یہ حدیث ابو جعفر کے واسطہ سے ہے اور وہ غیر خطمی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ شاید لفظ غیر کا اضافہ بعض ناقلین کی تحریف لگتی ہے وگرنہ ابو جعفر تو خطمی ہی ہیں۔ جیسا کہ ابن ابی خیثمہ اور طبرانی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور اللہ کی توفیق سے آگے ان کی گفتگو آرہی ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا ترمذی میں تو ایسے واقع ہوا ہے مگر باقی تمام محدثین کہتے ہیں کہ وہ ابو جعفر خطمی ہیں اور یہی صحیح ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ امام ترمذی اور ان کے ہمنواؤں نے حدیث کے پورے الفاظ ذکر نہیں کئے جیسا کہ باقی علماء حدیث نے کئے ہیں بلکہ انہوں نے تو صرف "اللهم فشفعه فی" تک روایت کیا ہے لیکن امام نسائی نے اسے "عمل الیوم واللیله" میں محمود بن غیلان عن عثمان بن عمر کی روایت سے اسی سند مذکور سے روایت کیا ہے اور امام نسائی نے اسے ایک اور واسطہ سے بھی روایت کیا ہے اور وہ "عن محمد بن معمر عن حبان عن حماد بن سلیمه عن ابی جعفر عن عماره بن خزیمه بن ثابت عن عثمان بن حنیف" ہے اور

انہوں نے اسے "عن زکریا بن یحی عن ابن مثنی عن معاذ بن ہشام عن ابیه عن ابی جعفر ابی امامه عن سهل بن حنیف عن عمه عثمان بن حنیف عثمان بن حنیف" سے بھی روایت کیا ہے۔

اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں "باب ماجاء فی صلاة الحاجه" کے ضمن میں فرمایا ہے کہ ہمیں احمد بن منصور بن سیار نے حدیث بیان کی انہیں عثمان بن عمر اور انہیں شعبہ نے ابو جعفر مدنی سے اور وہ عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے اور وہ عثمان بن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا آدمی نے بارگاہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کریں کہ اللہ تعالی مجھے عافیت عطا فرمائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چاہوں تو یہ سفارش میں تیرے لئے موخر رکھوں اور یہی تمہارے لئے بہتر ہے وگرنہ دعا کر دوں تو اس نے عرض کیا آپ میرے لئے دعا فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا اچھے انداز سے وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا مانگو اللهم انی اسئالک واتوجه الیک بمحمد نبی الرحمة یا محمد انی قد توجهت بک الی ربی فی حاجتی هذہ لتقضی لی اللهم فشفعه فی

امام ابو اسحاق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔اور ابن سنی نے "عمل

الیوم واللیلۃ" کے تحت باب ما یقول لمن ذهب بصره کے ضمن میں فرمایا ہے کہ مجھے ابو عروبہ نے بتایا ہے کہ ہمیں عباس بن فرج ریاشی اور حسین بن یحیی ثوری نے حدیث بیان کی ہے وہ کہتے ہیں ہمیں احمد بن شبیب بن سعید نے اور انہیں ابو روح بن القاسم نے ابو جعفر مدنی سے جو خطمی ہیں سے روایت کیا اور وہ ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے اور وہ اپنے چچا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس حال میں کہ ان کی خدمت میں ایک نابینا آدمی بینائی چلے جانے کی شکایت لیکر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم صبر نہیں کرتے؟ تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ساتھ لیکر چلنے والا کوئی نہیں، اور مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو پھر کہو "اللھم انی اسالک واتوبہ الیک بنبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی عزوجل فیجلی عن بصری اللھم شفعہ فی وشفعنی فی نفسی (اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ اے نبی رحمت اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔۔۔ عثمان کہتے ہیں ابھی تک ہم وہیں تھے اور نہ

اتنی ہی گفتگو ہوئی تھی کہ وہی شخص اس حال میں داخل ہوا کہ اسے آج تک آنکھوں میں کبھی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔

امام احمد نے اپنی مسند میں کہا ہے کہ ہمیں روح بن عبادہ بن عبادہ نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں ہمیں شعبہ نے ابو جعفر مدنی سے روایت کیا انہوں نے کہا میں نے عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے سنا جو عثمان بن حنیف سے حدیث روایت کر رہے تھے۔ کہ ایک نابینا آدمی بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "اے اللہ کے نبی، اللہ رب العزت سے دعا مانگیں وہ مجھے عافیت عطا فرمائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چاہو تو تمہارے لئے دعا کروں وگرنہ اس کو موخر کردوں اور یہ تمہاری آخرت کے لئے بہتر ہے۔ تو اس نے عرض کیا بلکہ میرے لئے دعا فرمائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا جاؤ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو پھر دعا مذکور پڑھنے کا حکم دیا عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ اس شخص نے ایسا کیا اور تندرست ہو گیا اور حاکم نے (المستدرک علی الصحیحین) میں کہا ہے کہ ہمیں عباس بن محمد دوری نے حدیث سنائی اور ان کو عثمان بن عمر نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے ابو جعفر مدنی سے روایت کیا کہ میں نے عمارہ بن خزیمہ کو عثمان بن حنیف سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ ایک نابینا آدمی نے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے لئے اللہ

تعالی سے تندرستی کی دعا مانگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چاہو تو موخر کر رکھوں وگرنہ تمہاری خواہش کے مطابق دعا کروں، تو اس نے عرض کیا بلکہ دعا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وضو کرو اور اچھا وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مذکور پڑھنے کا حکم دیا، حاکم نے کہا ہے یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ لیکن انہوں نے اسے نقل نہیں کیا اسے حافظ ذہبی نے بھی تسلیم کیا ہے۔

اس حدیث کو عون بن عمارہ نے عمارہ بصری اور شیب بن سعید حبطی کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے اور وہ دونوں روح بن قاسم سے روایت کرتے ہیں اور ابو جعفر مدنی جو خطمی ہیں سے روایت کرتے ہیں اور ابوامامہ بن سھل بن حنیف اور وہ اپنے چچا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ایک نابینا شخص نظر جانے کی شکایت لیکر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا کوئی سہارا نہیں جو مجھے لیکر چلے اور یہ مجھ پر گراں ہے۔ فرمایا جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور کہو اسی دعا مذکور کا ذکر کیا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں خدا کی قسم ہم وہاں سے الگ ہوئے نہ لمبی بات ہوئی اتنے میں وہ آدمی واپس آیا ایسے لگتا تھا کہ آج تک اسے بالکل تکلیف نہیں ہوئی پھر امام حاکم نے کہا کہ امام بخاری کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اسے امام ذہبی

نے بھی تسلیم کیا اور ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ ہمیں ابراہیم نے بتایا اور انہیں حماد بن سلمہ نے بتایا اور انہیں ابو جعفر خطمی نے عمارہ بن خزیمہ سے خبر دی تو انہوں نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا۔

کہ ایک نابینا شخص نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری آنکھوں کی نظر جا چکی ہے آپ اللہ رب العزت سے میرے لئے دعا مانگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو پھر کہو اللھم انی اسئالک واتوجہ الیک بنبی محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی استشفع بک علی ربی فی رد بصری اللھم نشفعنی فی نفسی وشفع نبی فی رد بصری وان کانت حاجہ فافعل مثل ذلک دعا کے الفاظ پہلے بھی مذکوہ ہو چکے ہیں البتہ اس میں آخری جملہ کا اضافہ ہے کہ جب بھی کبھی ضرورت پیش آ جائے ایسا کر لیا کرو تو صحابی کہتے ہیں کہ اس نے ایسا کیا تو اللہ رب العزت نے اس کی نظر واپس کر دی۔
ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ ابو جعفر وہی ہیں۔ جن سے حماد بن سلمہ نے روایت کیا اور ان کا اصلی نام عمیر بن یزید ہے۔ اور وہ وہی ابو جعفر ہیں جن سے شعبہ نے روایت کیا پھر انہوں نے اس حدیث کو عثمان بن عمر عن شعبہ عن ابی جعفر کے واسطہ سے بھی روایت کیا۔

امام بیہقی نے "دلائل النبوہ" میں فرمایا ہے باب ماجاء فی تعلیمہ الضریر ما کان فیہ شفاؤہ عین لم یصبر وما ظہر فی ذلک من آثار النبوۃ(یہ باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندھے کو تعلیم دینے کے بارے میں ہے۔ جس میں اس کی شفا ہے جب اس نے صبر نہ کیا اور اس موقع پر جن کمالات نبوت کا ظہور ہوا)

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عبداللہ (جو حاکم ہیں) نے خبردی ان سے ابو العباس محمد بن یعقوب حدیث بیان کی انہیں عباس بن محمد دوری نے حدیث سنائی انہیں ابوبکر احمد بن حسن قاضی نے خبردی انہیں ابو علی حامد بن محمد ھروی نے حدیث بیان کی کہ ہمیں ابو جعفر خطمی نے حدیث بیان کی کہ میں نے عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے جو عثمان بن حنیف سے روایت کرتے تھے سنا کہ ایک اندھا آدمی رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا عرض کیا آپ اللہ رب العزت سے میری تندرستی کی دعا مانگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چاہو تو اسے موخر کردوں اور یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم چاہو تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کروں' اس نے عرض کیا بلکہ دعا کریں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اچھا وضو کرنے کا حکم دیا اور فرمایا وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھو پھر دعا مذکور کے پڑھنے کا حکم دیا اسے عباس اور محمد بن یونس نے روایت کیا ہے کہ وہ آدمی کھڑا ہوا تو

بینا تھا۔ ان دونوں نے اسناد صحیح کے ساتھ روح بن عبادہ عن شعبہ سے کتاب الدعوات میں روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آدمی نے ایسے کیا تو تندرست تھا۔ اسی طرح اسے حماد بن سلمہ نے ابو جعفر خطمی سے روایت کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عبداللہ (جو حاکم ہیں) نے خبردی ان سے ابو العباس محمد بن یعقوبؒ حدیث بیان کی انہیں عباس بن محمد دوری نے حدیث سنائی انہیں ابوبکر احمد بن حسن قاضی نے خبردی انہیں ابو علی حامد بن محمد ھروی نے حدیث بیان کی کہ ہمیں ابو جعفر خطمی نے حدیث بیان کی کہ میں نے عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے جو عثمان بن حنیف سے روایت کرتے تھے سنا کہ ایک اندھا آدمی رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا عرض کیا آپ اللہ رب العزت سے میری تندرستی کی دعا مانگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چاہو تو اسے موخر کردوں اور یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم چاہو تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کروں' اس نے عرض کیا بلکہ دعا کریں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اچھا وضو کرنے کا حکم دیا اور فرمایا وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھو پھر دعا مذکور کے پڑھنے کا حکم دیا اسے عباس اور محمد بن یونس نے روایت کیا ہے کہ وہ آدمی کھڑا ہوا تو بینا تھا۔ ان دونوں نے اسناد صحیح کے ساتھ روح بن عبادہ عن شعبہ سے کتاب الدعوات میں روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آدمی نے ایسے

کیا تو تندرست تھا۔ اسی طرح اسے حماد بن سلمہ نے ابو جعفر خطمی سے روایت کیا۔

اور ہمیں ابوعبداللہ الحافظ نے خبر دی انہیں ابومحمد عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن سہل دیا نے مکہ میں خبر دی انہیں محمد بن یزید صالح نے انہیں احمد بن شبیب بن سعید حبطی نے وہ کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے روح بن قاسم کے واسطہ سے حدیث سنائی اور وہ ابو جعفر مدنی سے روایت کرتے ہیں جو خطمی ہیں اور ابو امار بن سہل بن حنیف سے اور وہ اپنے چچا عثمان بن حنیف رضی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت سنا جب ایک نابینا صحابی اپنی آنکھوں کی شکایت لیکر حاضر تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا کوئی قائد نہیں اور مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھو راوی اس دعا کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ ہم وہاں سے گئے نہ زیاد وقت گزرا اتنے میں وہ آدمی داخل ہوا گویا کہ آج تک اسے تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔

وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان الزاہد نے خبر دی انہیں ابوبکر محمد بن علی بن اسماعیل شاشی قفال نے انہیں ابوعروبہ نے خبر دی انہیں عباس بن فرج نے انہیں اسماعیل بن شبیب نے وہ کہتے ہیں کہ میرے والد گرامی نے روح بن قاسم کے واسطہ سے

حدیث بیان کی اور وہ ابومدنی سے اور انہوں نے ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کیا کہ ایک آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کسی ضرورت کے سلسلہ میں آتا جاتا تھا تو حضرت عثمان ان کی طرف التفات کرتے نہ ضرورت پورا کرنے میں غور کرتے تو وہ ایک روز حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے اور انہیں شکایت کی تو عثمان بن حنیف نے انہیں کہا وضو خانہ میں جاکر وضو کرو پھر مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا کرو اللھم انی اسئالک واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بک الی ربی فیقضی حاجتی واذکر حاجتک ثم رح حتی اروح (کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں اے محمد صلی اللہ علیہ سولم میں اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کرے پھر اپنی حاجت کا ذکر کرنے کے بعد چلے جاؤ۔) تو وہ آدمی چلا گیا اور جاکر ایسا ہی کیا پھر وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر پہنچا تو فوراً" دربان آیا ان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان غنی کے پاس لے گیا اور انہیں حضرت عثمان غنی کے ساتھ بچھونے پر بٹھایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے بتاؤ پھر وہ آدمی وہاں سے جاکر حضرت عثمان بن

حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے ملا اور کہا اللہ تعالی آپ کو بہتر جزا دے وہ میری حاجت پوری کرتے تھے۔ نہ میری طرف توجہ کرتے تھے یہاں تک آپ نے ان سے بات کی تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا میں نے ان سے کوئی بات نہیں کہ بلکہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا جب ایک نابینا اپنی آنکھوں کی شکایت لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا کیا تم صبر کرو گے؟ تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا کوئی قائد نہیں مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا وضو خانہ میں جا کر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو پھر دعاء مذکر پڑھنے کا حکم دیا توحضرت عثمان کہتے ہیں ہم ابھی وہاں بیٹھے تھے۔ اور نہ سلسلہ گفتگو طویل ہوا اتنے میں وہی آدمی داخل ہوا ایسا لگتا تھا کہ آج تک اسے تکلیف ہی نہ ہوئی ہو۔

اس کو احمد بن شبیب بن سعید نے بھی اپنے والد گرامی سے بڑی طوالت کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو علی حسن بن احمد بن ابراہیم بن شاذان نے خبر دی انہیں عبداللہ بن جعفر بن درستویہ نے انہیں یعقوب بن سفیان نے حدیث سنائی انہیں احمد بن شبیب بن سعید نے حدیث سنائی۔ پھر انہوں نے اسے طوالت کے ساتھ ذکر کیا اور اسی طرح جیسے ہمارے شیخ ابو عبد اللہ الحافظ نے ذکر فرمایا کہ علی بن عیسی بن ابراہیم نے ان کو حدیث سنائی انہیں ابراہیم بن محمد بن یزید سکونی نے انہیں یعقوب بن سفیان فارسی نے انہیں احمد بن شبیب بن سعید نے وہ کہتے ہیں کہ میرے والد گرامی نے روح بن قاسم کے واسطہ سے ہمیں حدیث بیان کی اور وہ ابو جعفر مدینی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو امامہ بن سھل بن حنیف سے اور وہ اپنے چچا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس کسی ضرورت کے سلسلہ میں آیا کرتا تھا پھر پوری حدیث کو ذکر فرمایا اور اسے ہشام دستوائی نے بھی ابو جعفر سے روایت کیا ہے اور وہ ابو امامہ بن سہل سے اور وہ اپنے چچا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں یہ ساری گفتگو امام بیہقی رحمہ اللہ علیہ کی تھی۔

اور طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ کے حالات میں کہا ہے کہ ہمیں طاہر بن عیسی بن قریش المصری المقری نے حدیث بیان کی انہیں اصبغ بن فرج نے انہیں ابن وھب عبداللہ نے ابو سعید مکی یعنی شبیب بن سعید سے روایت کی اور وہ روح بن قاسم اور وہ ابو جعفر خطمی مدنی اور وہ امامہ بن سہل بن حنیف اور وہ اپنے چچا عثمان بن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس کسی ضرورت کے سلسلہ میں آتا تھا تو حضرت عثمان نہ تو اس کی طرف دیکھتے اور نہ

ضرورت کے بارے سوچتے تو وہ حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور انہیں شکایت کی تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے فرمایا جاؤ وضو خانہ میں جا کر وضو کرو پھر مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھو' پھر دعا مذکور پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ شخص اس پر عمل کر کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے دروازے پر پہنچا تو دربان آیا اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمانؓ کے پاس لے گیا۔ اور لے جا کر ان کے ساتھ بچھاؤنے پر بٹھا دیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے بتائی آپ نے پوری کر دی پھر وہ آدمی وہاں سے گیا اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے ملا اور کہا آپ کو اللہ رب العزت جزا عطا فرمائے اگر آپ میری سفارش نہ فرماتے تو میرا کام نہ ہوتا حضرت عثمان بن حنیف نے کہا خدا کی قسم میں نے کوئی سفارش نہیں کی بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں' میں نے اس کا مشاہدہ کیا پھر پورا واقعہ بیان کر دیا۔

اور انہوں نے اسے معجم صغیر سے بھی طاہر کے واسطے سے روایت کیا ہے جو اپنے شیوخ سے اسی واسطہ سے انہیں الفاظ میں روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ روح بن قاسم سے شبیب بن سعید ابو سعید مکی ہی روایت کرتے ہیں یہ وہی ہیں جن سے احمد بن شبیب روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے اور وہ یونس بن یزید ایلی سے روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کو شعبہ ابو جعفر خطمی سے بھی

روایت کرتے ہیں جن کا نام عمیر بن یزید ہے۔ اور وہ ثقہ ہیں اور حدیث صحیح ہے یہ پوری گفتگو امام طبرانی کی تھی' ابن تیمیہ نے کہا طبرانی نے اپنے علم کے مطابق اسے بطور تفرد بیان کیا اور انہیں روح بن عبادہ کی شعبہ سے روایت نہیں پہنچی اور وہ سند صحیح ہے جو واضح کر رہی ہے کہ عثمان بن عمر اس میں منفرد نہیں اور امام حافظ منذری نے "الترغیب والترھیب" میں یوں فرمایا الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ ودعائھا عن عثمان بن حنیف رضی اللّٰہ عنہ ان اعمی اتی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللّٰہ ادع اللّٰہ ان یکشف لی عن بصری قال او ادعک؟ قال یا رسول اللّٰہ انہ قدشق علی ذھاب بصری قال فانطلق وتوضا ثم صل رکعتین ثم قل اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبی محمد نبی الرحمہ یا محمد انی اتوجہ الی ربی بک ان یکشف لی عن بصری اللھم شفعہ فی وشفعنی فی نفسی (حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک نابینا آدمی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا فرمائیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو پھر دعا مذکور پڑھنے کا حکم دیا وہ کہتے ہیں

که وه آدمی گیا پھر تھوڑی دیر بعد واپس آیا اللہ رب العزت نے سب مصیبتیں اس کی آنکھوں سے دور کر دی تھیں۔ ترمذی نے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اور امام نسائی' ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے اپنی اپنی مئولفات میں اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ امام بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے اور (ثم صل رکعتین) کے الفاظ ترمذی میں نہیں ہیں۔ اور امام طبرانی نے پورے واقعہ کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اسناد کے ذکر کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے حافظ منذری نے بھی یہی کہا ہے حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" صلاۃ الحاجہ کے باب میں اس کی صحت پر اتفاق کیا ہے اور حافظ ابو عبداللہ المقدسی نے "المختارہ" میں اور حافظ عبدالغنی المقدسی نے "النصیحہ" میں اور امام نووی نے " الاذکار" میں اس حدیث کی صحت پر اتفاق کیا ہے اور ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں متعدد مقامات پر اسے روایت کیا ہے اور امام سخاوی نے " القول البدیع" اور امام سیوطی نے " الخصائص الکبری" میں اسے روایت کیا ہے۔

اس تمام گفتگو کا خلاصہ یہ دو باتیں ہیں۔

ا۔ حدیث توسل ضریر (نابینا) کی تخریج حدیث کی مشہور و معتبر کتابوں میں ہے مسند امام احمد' سنن ترمذی' نسائی' ابن ماجہ اور صحیح ابن خزیمہ و حاکم کافی ہیں۔

۲۔ یہ حدیث صحیح ہے حفاظ اور ناقدین حدیث نے اس کی صحت پر اتفاق کیا ہے کسی نے بھی مخالفت نہیں کی سوائے ابن تیمیہ کے کہ حدیث کی صحت کے اعتراف کے باوجود انہوں نے بعض بے ہودہ قسم کے اعتراضات کئے ان شاء اللہ تعالی ہم انہیں باطل ثابت کریں گے۔

حدیث پر وارد کردہ اعتراضات کا تفصیلی جواب

یہ باب ان اعتراضات کے جوابات میں ہے جو اس حدیث پر وارد کئے گئے۔

جب یہ حدیث وہابیہ کے حلق میں ہڈی اور آنکھوں میں تنکا ثابت ہوئی تو انہوں نے اس سے جان چھڑانے کی کوششیں شروع کردیں مگر وہ اپنی ان کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ انہوں نے ایسی بد مزہ گفتگو کی جو ان کی جہالت پر دلالت کرتی ہیں اور ان کی متعصبانہ فکر فاسد کو آشکار کرتی ہے وہ بھاگی ہوئی اونٹنی کی طرح خبطی واقع ہوئے کہ اندھی گمراہی میں چلے گئے۔

حدیث تو ایسی عمارت کی طرح ہے جس کی بنیادیں مضبوط اور ستون بلند و بالا ہوں۔ انہوں نے حدیث کے جس پہلو کو بھی چھیڑا وہ اس کی وضاحت وثبات میں اضافہ کرتا چلا گیا کسی نے کیا خوب کہا

كنا طح صخرة يوماً ليو هنها

فلم يضرها واوهى قرنه الوعل

(چٹان کو کمزور کرنے کے لئے اسے سینگ مارنے والا نقصان نہ پہنچا پائے گا۔ پہاڑی بکرا اپنے ہی سینگ خراب کر بیٹھتا ہے)

اب ہم ان کے ان اعتراضات کا ذکر کرتے ہیں۔ جو قواعد سے

ملتے جلتے عقل و منطق سے قریب تر ہیں۔ ان کا حصر درج ذیل وجوہ میں کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ابو جعفر خطمی ہی ہیں۔

سب سے پہلے انہوں نے امام ترمذی کی ابو جعفر کے بارے اس بات کو کہ وہ خطمی نہیں لیا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ ابو جعفر مجہول ہیں اور مجہول کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہوتی ہے۔

ان کی یہ بات باطل بلکہ مردود ہے۔ کیونکہ امام طبرانی' ابن ابی خیثمہ' حاکم اور امام بیہقی ان تمام حضرات نے تصریح کی ہے کہ ابو جعفر وہ خطمی مدنی ہی ہیں اور ابن تیمیہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ یہ ابو جعفر خطمی ہی ہیں اور یہی صحیح ہے اور ابو جعفر خطمی ثقہ معروف ہیں جیسا کہ طرق حدیث میں گزر چکا ہے۔

۲۔ معجزہ کے ثبوت کے لئے دو شرائط ہیں۔

ان کا دوسرا اعتراض کہ حدیث ایک معجزہ پر مشتمل ہے جو ایک نابینا شخص کی نظر کی واپسی ہے۔ ظاہر ہے اس کو دیکھنے والے صحابہ کثیر تعداد میں ہوں گے یہاں تو صحابہ میں سے فقط حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ ہیں پھر اس عظیم معجزہ پر مشتمل ہوتے ہوئے بھی اسے بطریق آحاد روایت کیا گیا یہ بات دلالت کرتی ہے کہ حدیث صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر صحیح ہوتی تو ناقلین حدیث اس

کے نقل و روایت کرنے میں جلدی اور ایک دوسرے پر سبقت کرتے۔

ہم کہتے ہیں یہ اعتراض بھی پہلے اعتراض کی طرح باطل اور مردود ہے بلکہ یہ پہلے اعتراض سے زیادہ باطل ہے اس لئے کہ ہر معجزہ کے بارے شرط ہی نہیں کہ وہ متواتر یا شہرت کے ساتھ نقل کیا جائے علماء اصول وحدیث میں سے کسی نے بھی ایسی کوئی شرط نہیں لگائی بلکہ ان میں اخبار احاد متواتر اور مشہور سب ہو سکتی ہیں۔ جو شخص احادیث کی کتابوں میں احاطہ رکھتا ہے۔ اس سے یہ او جھل نہیں ہے۔ تو یہ طعام کی تسبیح والی حدیث' بکرے کی دستی کا بول اٹھنا کہ اس میں زہر ہے۔ دونوں حدیثیں بطریق احاد روایت کی گئی ہیں۔ حالانکہ نابینا کی نظر کی واپسی کی بنسبت یہ عظیم معجزوں پر مشتمل ہیں۔ کیونکہ جمادات کا بولنا عادتاً" معروف نہیں ہے اور نابینا کی نظروں کی واپسی عجیب ہونے کے باوجود انسان کی شان میں سے ہے اور اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور یہ معروف ہے۔ کہ کسی شخص کی تکلیف کی وجہ سے نظر چلی جائے پھر کچھ دوائی استعمال کر کے اس کو صحیح کیا جائے جیسا کہ طریق قدح عہد قدیم میں عرب حکیموں کے ہاں مستعمل رہا ہے ہمارے ہاں مراکش میں ہمیشہ سے یک گروہ اس کا سپیشلسٹ رہا ہے۔ نابینا کو انہوں نے دوائی دی تو اس کی پہلی سی حالت لوٹ آئی۔ ہم نے تو اس کا کئی بار مشاہدہ کیا ہے۔ جیسا کہ ہمارے علاوہ لوگوں نے ایسے

انسانوں کو دیکھا کہ تکلیف کی وجہ سے ان کی بالکل نظر چلی گئی۔ طریقہ قدح یا اور طریقہ سے ان کا علاج کیا گیا تو ان کی نظر واپس لوٹ آئی۔ اور یہ نابینا جس نے بارگاہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ لی کوئی مادرزاد اندھا نہ تھا کسی بیماری کی وجہ سے اس کی نظر چلی گئی تھی کیونکہ (شق علی ذہاب بصری فلیس فی رد بصرہ) کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ ایک پکا پکایا کھانا تسبیح پڑھتا ہے۔ پھر بکرے کی بھونی ہوئی دستی کا خبر دینا' پتھروں کا آپ صلی اللہ وسلم کو سلام کہنا اس کے علاوہ بہت سارے معجزات ہیں جو تواتر کے ساتھ منقول نہیں لیکن علماء نے ان کی صحت پر اعتماد کیا' انہیں قبول کیا اور انہیں حجت کے طور پر لیا جیسا کہ انہوں نے حدیث ضریر کی صحت پر اعتماد کیا اور اسے قبول کیا! اصولیین کے ہاں ایک قاعدہ ہے جو وہابی صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتے چنانچہ انہوں نے اس حدیث پر اسے جڑ کر غلطی کی وہ قاعدہ یہ ہے کہ ایسی خبر جس کے دواعی' اس کے تواتر کے ساتھ نقل کرنے پر زیادہ ہوں لیکن وہ بطریق آحاد نقل کی گئی ہو وہ جھوٹی ہو گی جمع الجوامع (جو امام تاج الدین سبکی رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔ جس کی شرح علامہ جلال الدین محلی نے کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ (ایسی خبر کہ حالات اسے تواتر کے ساتھ نقل کرنے کا تقاضا کریں جیسے خطبہ کے وقت امام کا منبر سے گرنا اسے بطریق آحاد نقل کیا گیا ہو تو اسے یقیناً" جھوٹا کہا جائیگا۔ کیونکہ یہ مخالف عادت ہے لیکن روافضہ اس پر یقینی

کذب کا حکم نہیں لگاتے وہ کہتے ہیں کہ عقل اس کے صدق کو جائز قرار دیتا ہے وہ امامت حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں اس خبر واحد (انت الخلیفة من بعدی) کو سچا مانتے ہیں اور وہ اسے اخبار آحاد سے ثابت معجزات کی طرح مانتے ہیں مثلا" کھجور کے تنے کا رونا' پتھروں کا بارگاہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام عرض کرنا اور کنکریوں کا تسبیح پڑھنا' ہم کہتے ہیں یہ تو اخبار متواترہ تھی لیکن بعد میں اب تک قرآن کریم کے تواتر کی وجہ سے ان کے تواتر سے استغناء کیا گیا جہاں تک خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ والی حدیث کی بات ہے وہ کبھی بھی معروف نہیں رہی اگر ہوتی تو اہل سقیفہ سے مخفی نہ رہتی۔

ان میں بھی تواتر نہیں

میں (غماری) کہتا ہوں' ان معجزات کے تواتر کا دعوی قابل تسلیم نہیں ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ ان معجزات کو بطریق آحاد نقل کر کے تواتر قرآن حکیم کی وجہ سے ان کے نقل تواتر سے استغناء کیا گیا ہے یہ جواب تمام صورتوں میں یکساں نافذ کیا جا سکتا ہے لیکن "اسنوی" نے ایک اور جواب دیا ہے وہ یہ کہ یہ معجزات تواتر سے منقول نہیں کیونکہ ان کا مشاہدہ کرنے والے تھوڑے ہوتے تھے اور کہا کہ شیعہ بھی یہی جواب دے سکتے ہیں کہ خلافت علی رضی اللہ تعالی عنہ والی خبر متواتر

نہیں کیونکہ سامعین کم تھے) میں کہتا ہوں ان کے جواب کو یوں رد کیا جا سکتا ہے کہ امامت معین پر نص کا مقصد قطع نزاع اور جھگڑے کو ختم کرنا تھا۔ اور یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ شارع علیہ السلام تمام صحابہ کرام کو بتاتے کہ خلیفہ فلاں ہو گا تاکہ وہ یہ بات کہنے سے رک جاتے یہاں تو ایک دو کو بھی خبر نہیں معجزات کی صورتحال ذرا اس سے مختلف ہے کیونکہ ان کی غرض صداقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتی ہے جو قرآن اور اسرا و معراج وغیرہ معجزات متواتر سے ہو چکی اور شیخ شہاب الدین قرافی تنقیح الفصول کی شرح میں فرماتے ہیں معجزات انوکھا پن اور شرف کو جمع کرتے ہیں کیونکہ وہ خوارق عادت اور نبوت کی نبیاد ہیں۔ اگر وہ تواتر سے منقول نہ ہو بلکہ فقط ایک شخص ہی انہیں نقل کرنے والا ہو تو سمجھا جائے گا کہ یہ خبر جھوٹی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں جم غفیر موجود ہو دوسرا حصول مقصود میں اس کے علاوہ کوئی اور دلیل بھی نہ ہو پہلی شرط انشقاق قمر سے احتراز کے لئے ہے کیونکہ وہ رات کا واقعہ تھا اور تواتر کی تعداد وہاں موجود نہ تھی جبکہ دوسری شرط رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں مبارک سے چشمہائے آب کا پھوٹ پڑنا اور طعام قلیل سے جم غفیر کو سیر کر دینا ان مواقع پر اجتماع عظیم موجود تھا۔ لیکن امت محمدیہ نے نقل قرآن پر ہی اکتفاء کیا ہے باقی معجزات بطریق آحاد ہی منقول ہوئے۔ حالانکہ وہ بھی متواترہ تھے۔ رہا معاملہ "حدیث ضریر" کا تو وہاں جم غفیر بھی نہ تھا

اور معجزات بھی موجود تھے جو صداقت رسول اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتے ہیں مثلاً" قرآن کریم کیونکہ اس کا اعجاز پھر اس کا تواتر سے منقول ہونا' دوسرے معجزات سے کفایت کرتا ہے تو قاعدہ مذکورہ میں اس کا دخول جائز نہیں اور کسی حالت میں بھی اس کا نفاذ ممکن نہیں ہاں یہ قاعدہ ایسے معجزات پر منطبق ہوتا ہے۔ جیسے ولی کبیر شیخ احمد رفاعی رحمہ اللہ علیہ کے بارے منقول ہے۔ کہ جب انہوں نے حج کے موقع پر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی اور روضہ مبارکہ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہ نوبة الا ستباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

(جب دور تھا تو میں اپنی رروح کو بھیجا کرتا تھا وہ میری نائب بن کر آپ کی دھرتی کو بوسے دیتی' اور آج یہ سب حاضر خدمت ہیں۔ اپنا دست مبارک نکالئے تاکہ میرے ہونٹ بوسہ دے کر فیضیاب ہوں)

تو قبر انور سے بابرکت ہاتھ نکلا تو انہوں نے بوسہ دیا اور سب لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ واقعہ شیخ علی ابو شباک لرفاعی (جو قلعہ قاہرہ میں مدفون ہیں) کے بارے وقوع پذیر ہوا۔ برابر ہے ان کے لئے ہو یا ان کے لئے' یہ واقعہ جھوٹا لگتا ہے کیونکہ

اس عظیم واقعہ کے لئے حالات اس کے بالتواتر نقل کرنے کا تقاضا کرتے ہیں اور اس واقعہ کے ناقل نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ جم غفیر نے اس کا مشاہدہ کیا جن کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچتی ہے۔ اور یہ کہ اس واقعہ کا مشاہدہ جنہوں نے کیا اس عظیم سعادت پر شیخ رفاعی کو مبارک باد دی۔ اس واقعہ کے جھوٹا ہونے کی یہ بات بھی تائید کرتی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پچاس ہزار یا کم زیادہ لوگ حاضر ہوں پھر ایک یا دو کے علاوہ اسے کوئی نقل نہ کرے کیا سب لوگ ناتجربہ کار اور جاہل تھے۔ اور شیخ عبدالقادر جیلی نے اپنے دروس میں سے کسی درس میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا نہ ان کی تالیفات میں قابل اعتبار طریقہ سے اس کا ذکر ہے نہ امام شعرانی نے طبقات میں اس کا ذکر کیا ہے حالانکہ اس سے کم ترشان کی بات کیوں نہ ہو وہ اسے بھی نہیں چھوڑتے میں نے اس حکایت کے اثبات میں ایک مطبوعہ رسالہ دیکھا ہے جو امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے حالانکہ امام جلال الدین سیوطی کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ اور کتنی کتابیں جو امام جلال الدین سیوطی کی طرف سے منسوب ہیں لیکن وہ ان کی نہیں ہیں۔ جیسے "الکنز المدفون والفلک المشحون" ان کی طرف منسوب ہے حالانکہ یہ کتاب شیخ یونس سیوطی مالکی (جو حافظ ذہبی کے شاگرد ہیں) کی ہے اور جیسے الرحمۃ فی الطب والحکمہ تمام مطبوعہ نسخوں میں ان کی طرف

منسوب ہے حالانکہ وہ حکیم مقری مہدی کی ہے اس کے علاوہ بہت زیادہ ہیں۔ہاں سیوطی نے اس واقعہ کا تذکرہ تنویر الحلک میں کیا ہے۔

۳۔ دعا نہیں توسل تھا

تیسرا اعتراض وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نابینا کے لئے دعا مانگی تھی تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ پکڑا یہ جائز ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ذکر نہیں کیا بلکہ تصریح کی کہ (فواللہ ماتفرقنا ولا طال بنا الحدیث حتی دخل الرجل کانہ لم یکن بہ ضرقط) خدا کی قسم ہم الگ ہوئے نہ اتنی لمبی گفتگو ہوئی حتی کہ وہ آدمی داخل ہوا گویا کہ اسے کبھی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے عنوان ہی یوں قائم کیا۔(باب ماجاء فی تعلیمہ الضریر ماکان فیہ شفاؤہ عین لم یصبر) یہ باب اس چیز کے بارے میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو سکھایا جس میں اس کی شفا تھی جب اس نے صبر

---

[1] اس موضوع پر سید محمد ابوالہدی افندی نے مکمل کتاب "کنزالمطلم فی مدید النبی ا دالہ الغوث الرفاعی الاعظم" تحریر کی ہے شاید شیخ غماری کے مطالعہ میں وہ نہیں آئی

نہ کیا۔

علاوہ ازیں بہت لوگوں نے متعدد مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی اور کسی کو بھی نماز اور دعا پڑھنے کا حکم نہ دیا جیسا کہ نابینا والی صورت میں کیا تو یہ بات دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ضریر میں نئے قانون کا ارادہ فرمایا جو تمام لوگوں کیلئے عام ہو صرف طالب دعا کے ساتھ خاص نہ ہو۔

دعا سے مراد دعا سکھانا ہے

اگر یوں اعتراض کیا جائے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا کریں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا کو دیا کہ اگر چاہو تو صبر کرو اور یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر چاہو تو میں آپ کے لئے دعا کروں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ شبہ اس شخص کا ہو سکتا ہے جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا فرمائی لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور دعا کی تلقین کی تو پتہ چلا کہ کلام میں کچھ مجاز ہے۔ اور اس جملہ (اگر چاہو تو میں دعا کروں) کا معنی یہ ہے کہ اگر چاہو تو میں تمہیں دعا سکھاؤں جو تم دعا مانگو اور تمہیں اس کی تلقین کروں' اور یہ تاویل واجب ہے تاکہ ابتداء حدیث' آخر

حدیث کے ساتھ متفق ہو جائے۔ پھر اگر اس تمام بحث کے باوجود ہم تسلیم بھی کر لیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نابینا کے لئے دعا مانگی تھی تو یہ کسی اور کے لئے عموم حدیث میں مانع نہیں ہے۔ اللہ کے حکم سے اس کا تفصیلی بیان آرہا ہے۔

۴۔ استسقاء میں سنت ہی یہی ہے

چوتھا اعتراض' وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے قحط کے سال دعاء استسقاء مانگی تھی چنانچہ انہوں نے کہا اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے۔ تو تو ہمیں بارش عطا کیا کرتا تھا۔ تو ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کے چچا کا واسطہ پیش کرتے ہیں تو ہم پر بارش برسا اے عباس دعا کیجئے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے دعا مانگی اور اللہ تعالی نے ان پر بارش برسائی یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی کے ساتھ خاص ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد توسل بالنبی جائز نہیں' ابن تیمیہ نے اپنی کتابوں میں اس اثر عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کثرت سے استدلال کیا ہے بلکہ کئی مرتبہ اس کا تکرار اور اعادہ کیا۔

ہم کہتے ہیں کہ اس اعتراض کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ جو کچھ حضرت فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے کیا استسقاء میں سن

مطلوب تھا اس لئے کہ سنت طریقہ ہے کہ اس صورتحال میں امام اور لوگ شہر سے باہر عید گاہ کی طرف جائیں۔ نماز استسقاء پڑھیں اور امام خطبہ دے کر خود بنفسہ دعا مانگے جیسا کہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے یا کسی اور کو دعا کا کہے جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ کیا اور حضرت معاویہ نے حضرت یزید بن اسود کے ساتھ کیا۔

اگر یوں سوال کیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عید گاہ میں بوقت دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ کیوں نہ بنایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو وسیلہ بنایا؟ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔

۱۔ حدیث نہیں پہنچی

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو حدیث توسل ضریر نہ پہنچی تھی اگر پہنچتی تو وہ ضرور وسیلہ پیش کرتے اور یہ ہوا ہے کہ بہت ساری احادیث حضرت عمر اور دوسرے بہت سے صحابہ پر مخفی رہیں اور ان سے چھوٹے ان سے باخبر ہوئے جسے ابن عباس ابوسعید خدری، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہم بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کئی بار بعض حدیثوں کے بارے جو ان کے مخفی رہیں اعتذار پیش کیا کہ بازاروں کے کاروبار نے ہمیں غافل کر دیا یعنی تجارت میں

مصروفیت کی بنا پر بہت ساری احادیث سے غافل رہے۔ اور یہی حال حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کا بھی ہوا کہ کئی احادیث ان سے مخفی رہیں اور ان کا علم مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ وغیرہ سے حاصل ہوا۔

۲۔ توسل لازم نہیں جائز ہے

توسل بالنبی علیہ الصلوہ والسلام واجب نہیں لہٰذا اس کا ترک جائز ہے اور غیر نبی کو بھی وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔

۳۔ حضرت عباس مضطر تھے

اللہ رب العزت فرماتا ہے (امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء) آلایہ

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت مضطرین میں سے تھے۔ لہٰذا ان کا وسیلہ پکڑنا زیادہ بہتر اور مناسب تھا۔

۴۔ اس میں حضور کی اتباع تھی

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو وسیلہ بنا کر دراصل رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی

بزرگی اوور جلالت کا لحاظ رکھا کرتے تھے۔ اور یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے صراحتہ" منقول ہے۔ چنانچہ زبیر بن بکار الانساب میں داؤد کے واسطہ سے اور وہ عطاء اور وہ زید بن اسلم سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قحط کے سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کا واسطہ دے کر بارش مانگنے کی دعا کی، تفصیلات کے مطابق آپ نے لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو وہ مقام دیتے تھے جیسے بیٹا اپنے والد کو مقام دیتا ہے تو اے لوگو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو اور حضرت عباس کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرو ابن عمر کہتے ہیں کہ وہ سب اسی حال میں تھے کہ بارش برسنا شروع ہوگئی اسے علامہ بلا ذری نے ہشام بن سعد کے واسطہ سے روایت کیا ہے اور وہ زید بن اسلم اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

۵۔ دیگر بزرگوں کا وسیلہ بھی جائز ہے

دراصل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے اس عمل نے یہ واضح کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر اہل اللہ اور اصحاب خیر (جن کی برکت کی امید ہو) کا وسیلہ پکڑنا بھی جائز ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث توسل کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ حضرت عباس کے واقعہ سے یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ دیگر اہل خیر بزرگ اور اہل بیت کا وسیلہ لینا بھی مستحب ہے۔

۶۔ یہ حضور کا ہی وسیلہ تھا

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حضرت عمر کا حضرت عباس کو وسیلہ پیش کرنا دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی وسیلہ پیش کرنا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت عباس کو اس لئے وسیلہ بنایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور ان کے ہاں صاحب مقام ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے کلام سے واضح ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ قحط کے دنوں میں عام طور پر حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو وسیلہ پکڑتے تھے چنانچہ اپ نے کہا اے اللہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے واسطہ سے بارش برسا۔ اور یوں بھی کہا اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ پیش کیا کرتے تھے تو تو ہم پر بارش برساتا تھا۔ آج ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ کے طور پر پیش کرتے ہیں تو ہم پر بارش برسا تو موسلادھار بارش ہوئی جو تھمتی نہ تھی۔ یہ تو

بخاری شریف کے الفاظ ہیں اس میں ان کا یہ کہنا کہ اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ ہمارے مدعی پر صریح دلیل ہے اس سے زیادہ واضح دلیل جو ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں فرمایا وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں قحط پڑ جاتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عباس کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے۔ دراصل ۱۷ھ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں زمین کی خشکی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی تو حضرت کعب رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا اے امیر المومنین جب نبی اسرائیل کو ایسی صورتحال پیش آتی تو وہ اپنے انبیاء کے خاندان کا واسطہ دے کر بارش طلب کیا کرتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ کے والد کے بھائی' اور بنی ہاشم کے سردار ہیں۔ یہ کہتے ہوئے عمر فاروق رضی اللہ تعالی ان کی طرف بڑھے اور لوگوں کی قحط کی پریشانی کی وجہ سے شکایت کی پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو ساتھ لے کر منبر پر تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے۔ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم والد گرامی کے بھائی ہیں کا واسطہ پیش کرتے ہوئے بارش کی درخواست کرتے ہیں ہمیں نا امید نہ کرنا' حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا اے ابوالفضل آیئے

اور دعا کیجئے الخ اور راوی نے یہ کئی طریقوں سے حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ وہ بارش کی دعا کیلئے نکلے اور ان کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے چنانچہ یوں عرض کیا اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتے ہیں اور ان کی شفاعت طلب کرتے ہیں' اے اللہ اس میں اپنے نبی کی لاج رکھ جیسا کہ تو نے دو بچوں کی ان کے باپ کی وجہ سے حفاظت فرمائی اس طرح باقی ماندہ حدیث کو ذکر کیا اس کے آخر میں ہے خدا کی قسم وہ اس حالت میں رہے یہاں تک کہ لوگ (پھسلنے کی وجہ سے دیواروں سے چمٹے اور اور تہہ بندوں کو اوپر سکیڑ لیا اور وہ (خوشی کی وجہ سے) حضرت عباس کے پاس مصافحہ کیلئے دوڑے' اور کہنے لگے اے ساقی حرمین مبارک ہو' حضرت زبیر بن بکار نے اپنی سند کے ساتھ ''الانساب'' میں کہا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے بارش کی دعا کی درخواست کی تو انہوں نے یوں دعا کی۔ اے اللہ مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔ اور توبہ سے خلاصی ہو جاتی ہے۔ آج لوگوں نے تیرے نبی کے قرب کی وجہ سے مجھے تیری بارگاہ میں پیش کیا ہے ہمارے یہ ہاتھ گناہوں سے آلودہ ہیں توبہ کیساتھ ہم حاضر ہیں ہمیں بارش عطا کردے' تو پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے یہاں تک کہ زمین سرسبز و شاداب ہو گئی اور لوگ خوشی خوشی زندگی بسر کرنے لگے اسے حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں ذکر

کیا ہے یہ تمام نصوص ہمارے مدعی پر صراحتاً" دلالت کر رہی ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کاوسیلہ اس لئے پکڑا کہ ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں مرتبہ و مقام اور قرابت داری ہے۔ تو یہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی وسیلہ بنانا ہے اور نہ کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے عدم توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا۔

وصال نبوی کے بعد صحابی نے آپ سے شفاعت چاہی

اس کی تائید امام بیہقی کی روایت کردہ حدیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو نصر بن قتادہ اور ابو بکر فارسی نے خبر دی انہیں ابو عمر بن مصر نے بتایا انہیں ابراہیم بن علی ذہلی نے انہیں ابو معاویہ نے اعمش اور وہ ابو صالح سمان سے اور وہ مالک الدار سے روایت کرتے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے خازن تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں قحط پڑ گیا ایک آدمی نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی طرف آکر عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے اللہ رب العزت سے بارش مانگئے کیونکہ وہ ہلاک ہو گئے ہیں۔ تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اسے خواب میں زیارت ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر کے پاس جاؤ اور اسے میرا سلام پہنچاؤ اور اسے بتاؤ کہ

انہیں بارش مل جائے گی اور اسے یہ بھی کہو کہ عقلمندی، عقلمندی سے کام لو تو وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا سنایا تو عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ رو دیئے اور کہا۔ اے میرے رب! میں کوتاہی نہیں کرتا، مگر جس سے میں عاجز ہوں۔ اس کی سند صحیح ہے میں نے حافظ ابن حجر کی فتح الباری ج ۲ ص ۳۳۸ مطبوعہ خشاب میں دیکھا کہ انہوں نے اسے ابن ابی شیبہ کی طرف ابو صالح سمان کے واسطہ سے منسوب کیا ہے اور انہوں نے مالک الدار سے انہی مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔[1]

اور اس کی سند کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے اور آدمی مذکور حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی ہیں جیسا کہ "فتوح" میں اسے سیف نے روایت کیا ہے اور اسے فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے نقل فرمایا ہے۔

---

(۱) ابن تیمیہ نے بھی اس اثر کو روایت کیا ہے مگر ایسے اضافہ کے ساتھ جو اس کی کسی سند میں نہیں انہوں نے "او نماء صراط مستقیم" میں دوران گفتگو یہ کہا ہے کہ ایک آدمی قحط کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی طرف آیا اور قحط کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خواب میں آئے اور فرمایا عمر کے پاس جا کر بتاؤ وہ لوگوں کو ساتھ لے کر باہر دعا و استغفار کرے یہ ابن تیمیہ کے ان خرافات میں سے جن سے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے بعد کسی کیلئے شفاعت نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے یہ معاملہ عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے سپرد کیا ہے یہ نص میں تحریف ہے۔ اور اس میں زیادتی باطل سوچ کی دلیل ہے (مصنف)

فاروق اعظم کی تائید

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال بن حارث کو فعل مذکور پر منع نہیں فرمایا اور نہ تنبیہہ فرمائی۔ اگر ان کے اجتہاد میں توسل بالنبی صلی اللہ علی و سلم ممنوع ہوتا تو وہ بلال سے خاموش نہ ہوتے بلکہ سختی سے انہیں منع فرماتے، حق کہنے کے معاملہ میں حضرت عمر کی شدت، محتاج تعارف نہیں اور نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے۔

۵۔ ابن تیمیہ نے ابن ابی خیثمہ کی حماد بن سلمہ کے واسطہ سے اس اضافہ والی "فان کانت حاجۃ فافعل مثل ذلک" روایت کو معلل قرار دیا ہے حالانکہ یہ اضافہ صحیح ہے۔ اس کی سند صحیح کی شرط پر ہے ابن تیمیہ نے کمزور قسم کے اعتراض کے ساتھ اس اضافہ کو ضعیف قرار دیا ہے فن حدیث کے ایسے عالم سے اس کا صدور اس کی شان کے لائق نہیں ہے، ہم فن حدیث کے قواعد کے مطابق علمی مناقشہ پیش کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا ہے۔

کہ اس اضافہ کو شعبہ اور روح بن قاسم نے روایت نہیں کیا ہے حالانکہ حماد سے ان دونوں کا حافظہ قوی تر تھا ہم کہتے ہیں کہ کیا ہوا؟ کیا حماد، صحیح کے رجال میں سے ثقہ نہیں ہے؟

اور ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے

۲۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ الفاظ کا اختلاط دلالت کرتا ہے کہ ایسی روایت کبھی کبھی بالمعنی بھی ہوتی ہے ہم کہتے ہیں کہ "کبھی کبھی" کے ساتھ تعبیر کرنا یہ بات دلالت کرتی ہے کہ آپ کے دعوی کی صحت ثابت نہیں اور آپ اس کو ثابت کر بھی نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ علماء میں سے کسی ایک نے بھی ایسے لفظ کی روایت کو جائز نہیں قرار دیا جس کا اس حدیث سے تعلق نہ ہو۔ برابر ہے کہ اس نے روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہو یا نہ۔

۳۔ اس نے کہا ہے کہ یہ کلام عثمان سے مدرج ہو، ہم کہتے ہیں یہ دعوی بھی پہلے کی طرح ہے اور اوراج کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے اور وہ دلیل کہاں ہے؟

۴۔ اس نے کہا اگر یہ ثابت ہو بھی جائے تو یہ حجت نہیں بن سکتی زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے کہ عثمان بن حنیف نے خیال کیا کہ یہ دعا بعض کے لئے مانگی جا سکتی ہے۔ اور بعض کے لئے نہیں۔

ہم کہتے ہیں بلکہ یہ تمہارے اور تمہارے حواریوں کے خلاف حجت قاطعہ ہے باقی جو تو نے عثمان بن حنیف کے بارے کہا ہے کہ وہ تمہارے اس خیال پر مبنی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے اس نابینا کے لئے دعا مانگی تھی اور تیرا خیال باطل ہے اگر دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی طرف سے مانگی جاتی تو حضرت عثمان جنہوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا اور نقل کیا وہ ضرور اس بات کو بھی بیان کرتے،

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نابینا کے لئے دعا مانگنا چاہتے جیسا کہ دوسروں کے لئے مانگا کرتے تھے تو ضرور اس کے لئے دعا کرتے پھر وضو، نماز پھر دعا کا حیلہ وغیرہ نہ بتاتے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دعا مانگی تھی تو یہ اس حدیث کی تخصیص و تقیید کا تقاضا نہیں کرتی۔

۵۔ اس نے کہا یہ اضافہ حدیث کے منافی ہے ہم کہتے ہیں کہ ہاں مگر تیرے اور حواریوں کی نگاہ میں، لیکن جو انصاف پسند علماء ہیں ان کے نزدیک یہ حصہ پوری حدیث کے ساتھ پیوست ہے اور تیرے دعوی پر مدرج ہے کیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ میں غفلت اور بلاہت تھی؟ کہ انہوں نے حدیث کے منافی حصہ کو اس میں درج کر دیا اور انہیں پتہ بھی نہ چلا یہ تو بہت ہی عجیب چیز ہے۔

۶۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اصحاب سنن نے اس حدیث سے اعراض کیا ہے، ہم کہتے ہیں کیا ہوا؟ کیا ہر حدیث سنن میں ہے کیا یہ واہی قسم کی تعلیل تو نے اپنی خواہش کے مخالف کے رد کے لئے گھڑی ہے؟ اور تیری ذریت نے آنکھیں بند کر کے تیری پیروی کر ڈالی حالانکہ اس سے پہلے آپ نے خود اعتراض کیا ہے کہ ترمذی اور س کے ساتھیوں نے الفاظ حدیث کا پورا استیعاب نہیں کیا جتنا کہ باقی محدثین نے کیا ہے اب آپ نے ان کے عدم استیعاب کو 'ایک زیادتی کو کمزور بنانے کے لئے حجت بنایا ہے جس کی سند بالکل صحیح ہے کیا ہی یہ انوکھا تناقض ہے؟

مذکورہ حدیث کی توسل پر دلالت

اس باب میں ہم یہ واضح کریں گے کہ اس حدیث سے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ثابت ہوتا ہے؟ جب ہم حدیث مذکور پر وہابیہ کی طرف سے عائد کردہ اعتراضات کے جوابات دے چکے ہیں تو چاہتے ہیں واضح کریں کہ حدیث مذکور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کے جواز پر کیسے اور کن کن صورتوں میں دلالت کرتی ہے تو ہم کہتے ہیں یہ تمام صورتوں میں وسیلہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں یا نہ، قبل از وصال ہو یا بعد از وصال۔

۱۔ اس میں دوسرے بھی شامل ہیں

اس حدیث کریمہ کے ورود کا سبب اگرچہ ایک نابینا صحابی کا سوال تھا لیکن دوسرے لوگ بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ احکام شرعیہ میں سب لوگ برابر ہیں اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے

حدیث میں خطاب اگرچہ ایک نابینا آدمی کی طرف ہے لیکن شرع

کی رو سے اسے عموم پر محمول کیا جائے گا۔ اہل علم کا متفقہ فیصلہ اجماع ہے کہ شارع کے خطابات عموم پر محمول ہوں گے اگرچہ ان کا مورد خاص کیوں نہ ہو وہاں اگر کوئی مخصص (خاص کرنے والی دلیل) آجائے تو خصوص مراد ہو گا اور ایسی کوئی دلیل یہاں نہیں ہے۔

۳۔ امت کے لئے حکم عام

نابینا شخص نے درخواست کی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعاء مذکور سکھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود دعا نہ مانگنا بلکہ اسے سکھا دینا اور وسیلہ کے ساتھ دعا کرنے کا حکم فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ امت کے ہر فرد کے لئے حکم عام ہے کسی ایک کیساتھ تخصیص مقصود نہیں۔

۴۔ دعا بھی نماز کی طرح ہر ایک کے لئے بہتر ہو گی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا آدمی کو نماز اور دعا کی ہدایت فرمائی اور نماز اجماعا" تمام لوگوں کے لئے جائز و مشروع ہے تو اسی طرح دعا بھی ہر شخص کے لئے جائز ہو گی وگرنہ اس تفریق کی وجہ سے حدیث کے ایک حصہ کا بلا دلیل رد کرنا لازم آئیگا۔ جو قابل قبول نہیں ہے۔

۵۔ ہمارے لئے سنت کا درجہ ہے

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس نابینا کے لئے دعا فرمائی حالانکہ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا کرنا عام حالتوں میں توسل کے جواز پر دلالت کرے گا کیونکہ علم اصول میں یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی شی کو بجا لانا اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی حرام یا مکروہ کا ارتکاب نہیں کرتے اور ہمارے لئے یہ سنت کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے خود فرمایا(لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ)

۶۔ آپ خود وضاحت فرما دیتے

اگر یہ حدیث اسی نابینا کے ساتھ خاص ہوتی یا آپ کی موجودگی کے ساتھ خاص اور عدم موجودگی میں ناجائز ہوتی یا آپ کی یہ دنیا میں ظاہری حیات کے ساتھ خاص ہوتی اور بعد از وصال جائز نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت فرما دیتے جیسا کہ آپ نے حضرت ابوبردہ رضی اللہ تعالی عنہ کو فرمایا کہ ایک سال سے کم عمر کی بکری تمہارے لئے جائز ہے تیرے سوا کسی اور کے لئے نہیں، یہ حدیث حضرت براء بن عازب کے روایت کردہ متفق علیہ ہے۔

۷۔ بوقت ضرورت بیان میں تاخیر ممنوع ہے

اگر یہ حدیث فقط اس نابینا کے ساتھ' یا موجودگی' یا حیات ظاہری کے ساتھ ہی خاص ہوتی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان بھی نہیں فرمایا تو لازم آتا ہے کہ وقت حاجت میں بیان میں تاخیر ہو گئی اور یہ ممنوع ہے کیونکہ اس صورت میں انسان کو اس چیز کا مکلف کرنا ہے جس کا اسے علم نہیں ہے۔

۸۔ دوسری روایت سے تائید

ابن ابی خیثمہ کی روایت میں ”تمہیں جب بھی ضرورت ہوں ایسا کرلیا کروں“ عموم پر اس قدر واضح دلیل ہے جو کسی سے مخفی نہیں۔

۹۔ صحابی نے اسے عموم پر ہی محمول کیا

حضرت عثمان بن حنیف جو اسی حدیث کے راوی اور اس کی مراد کو بہتر جانتے ہیں انہوں نے بھی اسے عموم پر ہی محمول کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس شخص کو اس حدیث کی طرف رہنمائی کی جسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس کام تھا جو اتنے انتظار کے باوجود بھی پورا نہیں ہو رہا تھا۔

۱۰۔ ترمذی کی شہادت

اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں ذکر کیا جیسا کہ گزرا اور

اپنی ”کتاب العلل“ میں یوں فرماتے ہیں اس کتاب میں جتنی بھی حدیثیں ہیں ان پر عمل ہے اور اہل علم انہیں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں سوائے دو حدیثوں کے، پہلی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کردہ حدیث کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر کو اور مغرب و عشاء کو جمع فرمایا حالانکہ نہ خوف تھا نہ سفر اور نہ بارش تھی۔ اور دوسری حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شراب پیئے تو اسے کوڑے مارو' اور اگر چوتھی مرتبہ اس کا اعادہ کرے تو اسے قتل کر دو ہم نے اپنی کتاب میں ان دونوں حدیثوں میں علت کو بیان کر دیا ہے۔

بہر حال امام ترمذی کی یہ وضاحت دلالت کرتی ہے کہ حدیث توسل نابینا قابل عمل بلکہ اس پر عمل کیا جاتا ہے کیونکہ امام ترمذی نے جہاں ان دو حدیثوں کو مستثنیٰ کیا ہے اسے بھی مستثنیٰ کر دیتے حالانکہ ان دونوں حدیثوں پر بھی عمل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام ابن سیرین' اشہب مالکی' ابن المنذر' اور شوافع میں سے شاشی کبیر نے اسے دلیل کے طور پر لیا ہے چنانچہ وہ حضرات بغیر کسی عذر کے گھر میں جمع کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ آدمی یہ عادت نہ بنالے اور مغرب کے شاذلیوں کی بھی یہی دلیل ہے کیونکہ جب مجلس ذکر لمبی ہو جائے تو وہ مغرب اور عشاء کو جمع کر کے لیٹ پڑھتے ہیں جیسا

کہ میرے بھائی علامہ سید محمد زمزمی نے اپنی کتاب (الانتصار بطریق الصوفیۃ الاخیار) میں اور ہمارے حقیقی بھائی حافظ ابوالفیض نے اپنی کتاب (ازالہ الخطر عمن جمع بین الصلاتین فی الحضر من غیر خوف ولامطر) میں بیان کیا ہے وہ اس کتاب میں ایسے علمی مناقشات اور مباحث لائے ہیں جن کی وجہ سے یہ اپنے موضوع پر نفیس ترین کتاب شمار ہوتی ہے۔ وہ مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

اوردوسری حدیث کو حافظ ابومحمد ابن حزم نے بطور حجت لیا ہے اور "المحلی" میں قاسم بن اصبغ کے واسطہ سے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ شیخ ابن حزم نے ایک مرتبہ فرمایا۔ اس آدمی کو میرے پاس لاؤ جس پر شراب پینے کی حد قائم کی گئی ہو' میں نے اسے قتل نہ کیا تو جھوٹا کہا جاؤں۔

۱۱۔ حفاظ اور ناقدین کی شہادت

حفاظ اور ناقدین حدیث نے بھی اس حدیث سے عموم سمجھا ہے انہوں نے اپنی کتابوں میں ایسے عنوانات قائم کئے ہیں جن کے نیچے یہ حدیث لائے ہیں۔ اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے ۔ چنانچہ امام ترمذی حاکم' اور بیہقی نے اپنی کتابوں میں دعاؤں کے باب میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ان منقول مشروع دعاؤں میں سے ہے جن کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے ابن ماجہ' منذری اور ہیثمی نے کتاب

الصلوٰۃ کے باب التطوع والنفل کے ضمن میں اسے ذکر کیا ہے اور امام نووی اذکار صلاۃ الحاجہ کی بات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کوئی ضرورت یا حاجت پیش آجائے تو اس وقت یہ ذکر کئے جائیں۔ اس حدیث کے قابل عمل ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ تمام حالتوں میں تمام لوگوں کیلئے عام ہے۔ اگر یہ حدیث اس نابینا شخص کے ساتھ خاص ہوتی یا کسی خاص حالت میں مشروع ہوتی تو اسے کتب احکام وغیرہ میں ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور پھر محدثین بھی خبردار کرتے یہ حدیث قابل عمل نہیں' یا مخصوص حالت میں مشروع ہے یا منسوخ ہے جیسا کہ انہوں نے بعض دوسری حدیثوں کے معاملہ میں کیا ہے۔ اور یہ بالکل واضح ہے۔

۱۲۔ کلام شارع میں اصل چیز جو واجب ہے

وہ یہ ہے کہ حکم میں تمام لوگوں کی برابری ہو ایک انسان کا دوسرے سے' اسی طرح ایک حالت کا دوسری حالت سے' فرق نہیں ہاں البتہ کچھ لوگوں کے ساتھ یا ٹائم کی تخصیص کی کوئی دلیل آجائے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور جب یہاں پر ان تمام میں سے کوئی چیز نہیں تو حدیث کو نابینا کے ساتھ یا حضور و حیات کی حالت کے ساتھ خاص کرنا خلاف اصل ہے۔ بلکہ جو شخص' تخصیص کا مدعی ہے اس سے تخصیص کی دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور دلیل مندرجہ ذیل امور سے ہی ہو سکتی ہے۔

توسل پر تین اعتراضات

1- اس حدیث میں دعا مذکور پر عمل کیا جائے تو لوگوں کو وہم میں ڈالتی ہے کہ دعا میں وسیلہ ضروری ہے۔ اور یہ ممنوع و غلط ہے۔ کیونکہ یہ ان قرآنی آیات کے منافی ہے۔ جو دلالت کرتی ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان ہر قسم کے وسیلہ کو ناجائز قرار دیا ہے(واذاسئالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان) اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں' دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے)

(وقال ربکم ادعونی استجب لکم)

اور اس لئے بھی کہ ایسے عقیدہ سے مشرکین کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔ کہ انہوں نے بھی تو اپنے زعم باطل میں اللہ رب العزت کی طرف کئی واسطے بنا رکھے تھے۔ تو لہٰذا جو دعا ممنوع چیز کی طرف لے جائے وہ خود ممنوع ہے۔ اور جب کبھی شارع سے کسی خاص موقع پر حکم آ جائے تو اسے وہاں پر ہی بند رکھیں گے۔ اس پر آگے قیاس نہیں کریں گے۔ تو اس لئے یہ حدیث اس نابینا کے ساتھ ہی خاص ہے۔

2- حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فرمان میں (یا محمد انی

اتوجه بک الی ربی) نداء اور خطاب ہے اور یہ زندہ اور حاضر کو ہوتے ہیں غائب اور میت کو نہیں ہوتے لہٰذا یہ حدیث رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور موجودگی کے ساتھ خاص ہے۔

3- صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ نہیں بنایا بلکہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ وغیرہ (جو حیات تھے) کو وسیلہ بنایا' تو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام کا آپ سے توسل ترک کرنا" حالانکہ وہ آپ کے حضور و حیات میں آپ ہی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے" دلیل ہے اس بات کی کہ یہ حدیث حیات و حضور دونوں حالتوں کے ساتھ خاص ہے۔ وہابیوں کے زعم باطل میں تخصیص حدیث کے یہ فیصلہ کن دلائل ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کا سب باطل ہے۔

فیصلہ کن جوابات

جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے اس کا بطلان بالکل واضح ہے کیونکہ ایہام مذکور محض وہم اور خیال ہے اس لئے کہ اس دعا میں ادنی سا بھی ایہام کا شائبہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی نہ رہتا حالانکہ آپ نے ہی اس نابینا کو اس دعا کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ دعا پڑھو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو شرک اور اسباب شرک کو مٹانے کے لئے تشریف لائے' یہ عقلی طور پر ناممکن ہے کہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے کسی فرد کو شرک کی تعلیم دیں، جس سے ان کا عقیدہ مشرکوں کا سا ہو جائے' یہ بات تو سرے سے ہی باطل ہے اور رہی دوسری دلیل اسے تین چیزیں باطل کرتی ہیں۔

۱۔ علماء کرام کا اجماع ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں امام ابن حزم نے (المحلی) اور امام سخاوی نے "القول البدیع" میں اس اجماع کو نقل کیا ہے یہی وجہ ہے کہ مالکیوں کا فتوی ہے کہ اگر کسی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب پر لبیک کہتے ہوئے نماز میں بات کی تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی' برابر ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد' ان میں سے کسی نے اس معاملہ میں بطور پہیلی بات کہی ہے۔

یا فقیہا شخص تکلم عمدا
فی صلاة ولم یکن اصلاحا
لصلاة و بعد هذا فقلتم
تلک صحت و حاز هذا نجاحا

(اے فقیہ، کسی شخص نے نماز میں جان بوجھ کر بات کی اور اس نے اپنی نماز کی اصلاح بھی نہ کی اس کے باوجود تم کہتے ہو کہ اس کی نماز صحیح ہے اور اس نے کامیابی کو جمع کیا)

۲۔ وہ حدیثیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اعمال امت بارگاہ رسالت میں

پیش کیئے جاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بعد از وصال ایسا ہے جیسا کہ قبل از وصال اس دنیا میں تھا حدیث کی کتابوں اور فضائل نبوی میں اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اس موضوع پر ہماری لاجواب کتاب (نهاية الامال فی صحة حديث عرض الاعمال) دیکھو[1]

۳۔ نماز کی تشہد میں "السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" کے پڑھنے پر نصوص متواترہ سے اجماع امت ثابت ہے اور یہ نداء اور خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہے' اور یہ ناممکن ہے کہ امت ایسے میت کے خطاب اور نداء پر اجماع کرے جسے کسی قسم کی معرفت اور شعور نہ ہو تو یہ عبارت بھی اپنی اساس سے ہی باطل ہے۔

اور تیسری صورت بھی کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام کا توسل بالنبی کو بالکل ترک کرنا مسلم نہیں ہے بلکہ حضرت عثمان بن حنیف اور حضرت بلال مزنی کے عمل سے اس چیز کا رد ہوجاتا ہے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۲۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ کرام نے بالکل توسل بالنبی

---

[1] الحمد للہ اس کتاب کا ترجمہ بھی فقیر نے کیا ہے جو نگاہ نبوت اور مشاہدہ اعمال امت کے نام سے چھپ چکا ہے۔ (سعیدی)

ترک کر دیا تھا، تو احتمال ہے کہ یہ ترک اتفاقی طور پر ہو، یعنی ان کی نظر میں یہ ممنوع نہیں تھا بلکہ اتفاقی طور پر انہوں نے چھوڑ دیا تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی نظر میں یہ جائز نہیں تھا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی نظر میں جائز تھا لیکن دوسرا ان کے نزدیک افضل ہو، تو انہوں نے اسے چھوڑ کر افضل کی طرف رجوع کیا ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اسے اس لئے چھوڑا ہو کہ باقی دعاؤں اور عبادات کو چھوڑ کر اسے عادت نہ بنا لیا جائے ان کے علاوہ اور بھی احتمالات ہو سکتے ہیں جو ہم پہلے توسل عمر بالعباس رضی اللہ تعالی عنہ کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں اور قاعدہ ہے کہ جس دلیل میں احتمال آ جائے تو اس سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

۳۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ عملی طور پر ترک ہے یعنی صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد توسل بالنبی ترک کر دیا تھا اور صرف چھوڑنا (یعنی ترک عمل) کسی چیز کے عدم جواز کی دلیل نہیں بن سکتا جب تک کہ وہاں نص نہ ہو جو بتائے کہ جو چیز چھوڑ دی گئی ہے وہ ممنوع ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ اس فعل کا ترک جائز ہے اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ جس کو چھوڑ دیا گیا ہے وہ ممنوع اور ناجائز ہے۔ اس کیلئے تو الگ دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک شہر میں کئی مقامات پر جمعہ کا پڑھا جانا اگر کوئی شخص کہے کہ ممنوع ہے کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں فقط ایک جگہ پر جمعہ پڑھا گیا، تو یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ عدم عمل، کسی چیز کے ممنوع اور ناجائز ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی، علماء کی کثیر تعداد نے ایک شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ کو جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ امام عطاء بن ابی رباح، داؤد الظاہری، ابن حزم، ابن عربی معافری مالکی، ان کے علاوہ بہت سارے علماء نے فتوی دیا ہے کہ مجبوری ہو یا نہ، دونوں صورتوں میں ایک شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ ہو سکتا ہے انہوں نے اللہ رب العزت کے اس قول سے عموم مراد لیا ہے یایها الذین آمنوا اذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع

(اے ایمان والوں جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو)۔

انہوں نے اس طرف بالکل توجہ نہ دی کہ نہ تو صحابہ کرام اور نہ ہی تابعین عظام کے عہد میں متعدد ہوا۔ ابن عربی رحمہ اللہ علیہ کی اس موضوع پر تصنیف ہے جس کے بارے علامہ شیخ ہمارے والد گرامی نے ہمیں بتایا۔

سوال= اگر یہ کہا جائے: کہ محض صحابہ کرام کا توسل بالنبی کا

چھوڑنا دلیل نہیں بلکہ دلیل دونوں حالتوں کی تفریق ہے کیونکہ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہیں آپ کو وسیلہ بناتے تھے' لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا' تو انہوں نے توسل بالنبی ترک کر دیا یہی ہماری دلیل ہے اور اس کا جواب مطلوب ہے۔

جواب= یہ سوال بھی ان کے لئے مفید نہیں' کیونکہ جمعہ کی حالت بھی بالکل اسی طرح ہے اصل میں صحابہ کرام عوالی مدینہ وغیرہ میں رہا کرتے وہ نمازیں اپنی اپنی مسجدوں میں پڑھا کرتے تھے لیکن جب جمعہ کا دن آتا تو دربار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کو ترجیح دیتے تھے' چنانچہ وہ جمعہ کی نماز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اسی طرح وہ خلفاء راشدین کے عہد مبارک میں کرتے تھے جس نے بھی تعدد جمعہ کو منع کیا ہے اس کا بڑا شبہ یہی ہے۔ لیکن اس شبہ نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا اس لئے کہ جو لوگ تعدد جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے واضح کر کے بیان کر دیا' مخالفین کی زیادہ سے زیادہ یہ دلیل نہیں بن سکتی ہے کہ انہوں نے تعدد کو چھوڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے اسی کو برقرار رکھا یہ منع تعدد کی دلیل بن سکتی اور یہاں بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ثابت ہو گا کہ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد توسل بالنبی کو ترک کر دیا تھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ منع توسل پر یہ دلیل کافی نہیں ہے۔

۴۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد توسل بالنبی چھوڑ دیا تھا تو زیادہ سے زیادہ اس سے اجماع سکوتی ثابت ہو گا۔ ان میں سے کسی سے بھی یقینی طور پر منع توسل کی صراحت ثابت نہیں اور رہا اجماع سکوتی تو اس کی حقیقت' نام اور حجیت میں اختلاف کیا گیا ہے ایسی حالت میں وہ کیسے ایک شرعی دلیل کے لئے مخصص بن سکتا ہے جس کی حجیت میں کوئی اختلاف نہیں' امام علامہ علاء الدین قونوی شرح تعرف میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابوالقاسم اصبہانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "الترغیب والترہیب" میں روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن اور رات میں مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا' اللہ رب العزت اس کی سو حاجتوں کو پورا فرمائے گا۔ ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی اللہ رب العزت ان کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو میری بارگاہ میں تمہارے درود ایسے پیش کرے گا جیسے تمہارے تحائف تم پر پیش کئے جاتے ہیں یاد رکھو وصال کے بعد میرا علم ایسے ہی ہو گا جیسا کہ اس دنیا میں اب ہے۔ ایسی بہت ساری حدیثیں ہیں۔ جو ان بدعتیوں کا رد کرتی ہیں۔ جنہوں نے اس زمانے میں نئی نئی باتیں گھڑ لی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپکے وسیلے کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی (ابن تیمیہ کے شاگرد) نے کچھ باتیں جمع کی ہیں

جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد علم کی نفی کی ہے۔ اور کسی نے تو آپ کی حیات اور وصال کے درمیان تفریق کی ہے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور وفات کا فرق صحابہ کرام میں مسلم تھا یہی وجہ کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے بارش طلب کرتے ہوئے حضرت عباس کو وسیلہ بنایا' اور یہ بھی کہا کہ اگر یہ تفریق صحابہ کے ہاں واضع نہ ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ (باوجود آپ کی جلالت و بزرگی' خلیفہ راشد ہونے کا اور ہر معاملہ میں صحابہ سے مشورے لینے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف نہ جاتے۔

یہ اس بدعتی جاہل کے الفاظ ہیں جس کے خلاف اس طریقے کی چیزوں کے معاملہ میں دلائل اور گواہ قائم ہوئے اور اس پر ۷۲۵ھ کے کئی مہینوں میں 'قید' سزا' اور جلا وطنی کی انتہائی تعزیز لگائی گئی اور یہ سب کچھ قاہرہ میں ہوا' اور یہ ساری گفتگو یعنی' دونوں حالتوں کی تفریق اور حضرت عمر کا بارش کی طلب میں حضرت عباس کی طرف رجوع کرنا اس کی اپنی باتیں نہیں تھیں۔ بلکہ اس کے شیخ (ابن تیمیہ) کی تھیں کیونکہ جب اس نے کئی سالوں سے برسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کی نفی کی بات کو ظاہر کیا تو اس کے سامنے حدیث استسقاء پیش کی گئی۔ تو گھبرا کر دونوں حالتوں کی تفریق کی طرف آگیا' لیکن حدیث مذکور میں بھی اسے کچھ نہ مل سکا کیونکہ حضرت عمر رضی

اللہ تعالی عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو آگے کریں۔ اور خود آپ بھی ان کے ساتھ شریک ہوں' تو یہ بعد از وصال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ممکن نہ تھا' جہاں تک خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ توسل کا تعلق ہے۔ تو ہم نہیں مانتے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بعد از وصال بالکل چھوڑ دیا تھا' باقی حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کو آگے کرنا تاکہ لوگوں کیلئے دعا مانگیں' یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کے جواز کے منافی نہیں ہے۔

اور حضرت انس کی وہ حدیث جسے انہوں نے ابوالقاسم اصبہانی کی طرف منسوب کیا ہے اسے دیلمی اور ابو عمرو وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اس کا اسناد ضعیف ہے لیکن ہمارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی احادیث تو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور اس بدعتی کی بات کہ اگر یہ تفریق صحابہ کرام کے ہاں واضح نہ ہوتی تو حضرت عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو چھوڑ کر کسی اور طرف نہ جاتے تو اسے کہا جائے گا اگر اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اعراض کیا ہے تو ان وجوہ کی بناء پر جن کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے اس کے باوجود دوسرے صحابہ کرام نے ایک اور موقع پر در رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی ہے امام دارمی نے اپنی سنن میں کہاہے کہ ہمیں ابو نعمان نے حدیث بیان کی ہے وہ کہتے ہیں ہمیں ابوالجوزا اوس بن

عبداللہ نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں شدید قحط پڑا۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی تو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان کی طرف روشندان بناؤ یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان کوئی چھت نہ رہے۔ تو انہوں نے ایسا کیا شدید بارش ہوئی حتی کہ کونپلیں اگ پڑیں، اور اونٹ موٹے ہو گئے حتی کہ چربی سے پھٹنے لگے، اس لئے اس سال کا نام "عام الفتق" رکھا گیا، امام دارمی نے اس کو روایت کیا، اور باب کا عنوان یوں کیا" باب ما اکرم اللہ نبیہ بعد موتہ (اس چیز کے بارے یہ باب ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کے وصال کے بعد انہیں کس قدر عزت دی۔) اس کے اسناد میں کوئی کلام نہیں، رہے سعید بن زید اگرچہ ان میں کلام کیا گیا ہے لیکن وہ امام مسلم کے رجال میں سے ہیں ابن معین وغیرہ نے اسی کی توثیق کی ہے اور صاحب مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کے الفاظ بھی سنتے جائیے، وہ کہتے ہیں، کہ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھولنے کا سبب یہ تھا کہ قحط کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کی جاتی تو آسمان بارش برسانا شروع کر دیتا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے قبر انور کھولنے کا اس لئے فرمایا کہ طلب شفاعت میں مبالغہ ہو جائے تاکہ اس کے اور آسمان کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک کثیر تعداد موجود تھی، اور کسی سے منقول نہیں کہ ان میں سے کسی نے اس کا انکار کیا ہو، اور علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبدالقادر فاسی عدۃ الحصن الحصین کی شرح میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو شفاعت عظمیٰ کے مالک ہیں آپ کی موجودگی اور غیابت میں آپ کو وسیلہ بنانا اس میں ذرہ بھر بھی توقف نہیں ہے اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "مجابی الدعاء" میں فرمایا ہے کہ ہمیں ابوہشام محمد بن یزید بن محمد بن کثیر بن رفاعۃ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی عبدالملک بن ابجر (جو بہت بڑے طبیب تھے) کے پاس آیا تو انہوں نے ان کے پیٹ کو ٹٹولہ، پھر کہا، کہ تمہیں لا علاج بیماری ہے، انہوں نے کہا کہ وہ کیا ہے فرمایا پیٹ کا کینسر ہے تو وہ آدمی وہاں سے مڑا اور کہا اے اللہ، میرے رب، میں تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، اے اللہ میں تیری بارگاہ میں تیری رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتا ہوں، اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو آپ کے اور میرے رب کے حضور وسیلہ کے طور پر پیش کرتا ہوں جو کچھ بھی مجھے تکلیف ہے میرا رب مجھ پر رحمت فرمائے، وہ کہتے ہیں دوسری مرتبہ جب طبیب نے چیک کیا تو کوئی بیماری وغیرہ نہیں تھی۔

میں کہتا ہوں کہ ابن ابجر حافظ حدیث تھے۔ اور وہ امام نسائی، ترمذی، ابوداؤد اور امام مسلم کے رجال میں سے ہیں، علاج معالجہ پر پیسے

وغیرہ نہیں لیتے تھے، ان کی امام احمد اور ابن معین وغیرہ نے توثیق کی، اور ان کے بارے میں تعریفی کلمات کہے، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

"خاتمہ"

پہلا مسئلہ:۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب (زیارہ القبور والاستنجاد بالمقبور) میں توسل پر گفتگو کی ہے اور اسے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے پہلی اور دوسری قسم میں ذرا لمبی گفتگو کر کے کہا تیسری قسم یوں ہے کہ بندہ کہے اے اللہ فلاں کے واسطہ یا برکت یا حرمت سے جو تیرے ہاں ہے میرا یہ کام کردے یہ بہت سے لوگ کرتے ہیں حالانکہ کسی صحابی، تابعی اور اسلاف میں سے کسی سے منقول نہیں کہ انہوں نے اس طرح دعا کی ہو اور علماء میں سے کسی کی طرف سے میرے پاس ایسی بات نہیں پہنچی مگر میں نے فقیہ ابو محمد ابن عبدالسلام کے فتاوی میں کچھ اس طرح پڑھا انہوں نے فتوی دیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث صحیح ہو، تو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے بارے میں ہرگز جائز نہیں ہے اور استثناء کا مطلب یہ ہے کہ امام نسائی اور ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دعا سکھائی کہ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں، اور تیری بارگاہ میں تیرے رحمت والے نبی کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ یا محمد، یا رسول اللہ، میں اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی ضرورت کے لئے آپ کو وسیلہ بناتا ہوں تاکہ اللہ رب العزت میرا کام کردے، اے اللہ، میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما الخ یہ اس کی مراد تھی، اب شوکانی کی طرف آیئے ابن تیمیہ کی تقلید کرتے

ہوئے انہوں نے یہی بات اپنی کتاب (الدر النضید فی اخلاص کلمہ التوحید) میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے نقل کی وہ ذرا آگے بڑھ گئے انہوں نے ابن تیمیہ کی اس استثناء پر موافقت نہیں کی' بلکہ' مناقشہ کیا اور ان کا رد کیا' اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے نقل کرنے میں بھی ابن تیمیہ نے غلطی کی کیونکہ عزالدین بن عبدالسلام کا فتوی توسل کے بارے نہیں تھا بلکہ اللہ رب العزت کو مخلوق کے ساتھ قسم دینے کا تھا' ہم ان کے فتوی کے الفاظ کو بعینہ نقل کر دیتے ہیں تاکہ مراد واضح ہو جائے' فتاوی موصیلہ کے الفاظ یوں ہیں تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں اور اللہ رب العزت کی رحمتیں' ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر ہوں یہ کچھ سوالوں کا مجموعہ ہے جن کے بارے شیخ امام علامہ شیخ السلام عزالدین بن عبدالسلام ابن قاسم بن مہذب السلمی نے جوابات دیئے ہیں اللہ تعالی ان سے راضی ہو' اور ہم پر اور تمام مخلوق پر برکتیں برابر بھیجتا رہے۔

مسئلہ:۔ (اللہ تعالی توفیق دے)' علماء اس دعا کرنے والے کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے اپنی دعا میں' اللہ تعالی کو اس کی مخلوق میں سے بزرگ ہستی کی قسم دی' جیسا کہ' نبی ولی اور فرشتہ؟ کیا اس کیلئے یہ مکروہ ہے یا نہیں؟ پھر انہوں نے چند سوال ذکر کر کے کہا' تو شیخ رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا' جہاں تک دعا کا تعلق ہے بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو

دعا سکھائی تو شروع میں فرمایا (قل تم کہو اے اللہ میں تجھے تیرے رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم دیتا ہو) یہ حدیث ہے۔ اگر صحیح ہے تو مناسب یہی ہے کہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ عمل محدود ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد آدم کے سردار ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی' فرشتہ اور ولی کی اللہ رب العزت کو قسم نہیں دی جا سکتی کیونکہ وہ اس مرتبہ پر نہیں ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم 'درجے کی بلندی اور رفعت مرتبہ کی بنا پر اس کے ساتھ خاص ہیں یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں جنہیں ہم نے اسے فتاوی موصلیہ سے نقل کیا جو ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح اصحاب خصائص سے بھی نقل کیا ہے جیسا کہ امام سیوطی امام قسطلانی وغیرہ وہ اسی سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اور یہ بات ہمارے موضوع سے ہٹ کر ہے کیونکہ ہمارا موضوع یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا جائے اس میں کسی قسم وغیرہ کی بات ہی نہیں۔

غلطی نہیں کی

اگر اعتراض کیا جائے کہ امام برزلی نے اپنی کتاب "نوازل" میں ابن عبدالسلام کے کلام کو نقل کیا ہے اور انہوں نے قسم کو توسل پر ہی محمول کیا ہے چنانچہ وہ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

امام عزالدین کا جواب' اللہ رب العزت کو مخلوق کے ساتھ قسم کے بارے میں گذر چکا ہے انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ مخلوق میں سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی کے ساتھ توسل جائز نہیں اس بارے میں دوسروں کے نظریات کی بات بھی گزر چکی ہے اور جو حکایات اولیاء اللہ کے ساتھ وسیلہ کا سلسلہ میں مذکور ہوئیں زیادہ بہتر ہے۔ کہ انبیاء اور ملائکہ ہی مراد ہوں الخ اس ظاہر کلام سے پتہ چلتا ہے کہ قسم اور توسل ایک چیز کے دو نام ہیں۔ اور امام ابوعبداللہ فاسی کا قول اس بارے میں زیادہ واضح ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب قسم سے یمین مراد نہ ہوئی کیونکہ غیر اللہ سے قسم کی ممانعت آ چکی ہے تو اس کا استعمال توسل طلب' شفاعت اور اس میں تاکید کے بغیر کچھ نہ رہا اور اس پر قسم کا اطلاق مجازاً" ہی ہو گا ان تفصیلات کو مد نظر رکھتے ہوئے پتہ چلا کہ ابن تیمیہ کی نقل میں کوئی غلطی نہیں ہے کیونکہ قسم سے مراد توسل ہی ہے۔

غلطی کی ہے

اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جا سکتا ہے۔

ا۔ راجح بلکہ حقیقت میں قسم اور چیز ہے اور توسل اور ہے جیسا کہ خطاب' ابوعبداللہ قصار وغیرہ نے اس پر تصریح کی ہے کیونکہ حقیقی طور پر قسم توسل سے مختلف ہے اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں یہ اتنا واضح ہے کہ محتاج بیان نہیں۔

۲۔ جو حضرات قسم کو توسل کے معنی میں مانتے ہیں وہ خود اعتراف کرتے ہیں ایسا مجازی طور پر ہے حقیقی نہیں[1] اور مجاز خلاف اصل ہے انہوں نے اس کا ارتکاب ایک قرینہ کی بنا پر کیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کی ممانعت ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک یہ منع کراہت کے طور پر ہے نہ کہ حرمت کے طور پر' اس کی دلیل فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے (افلح۔ وابیہ۔ ان صدق) کہ اس کے باپ کی قسم اگر اس نے سچ کہا ہے تو وہ کامیاب ہو گیا اسی طرح کی اور احادیث بھی ہیں۔ اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس نہی سے

---

[1] یہی وجہ ہے کہ ابو عبداللہ فاسی نے امام عزالدین کی گفتگو کے آخر میں قسم کو اپنے حقیقی معنی پر باقی رکھنے کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں (اگر ہم قسم کو توسل پر محمول کریں تو مشکل ہے کیونکہ ابن عبدالسلام نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے اور اگر اسے اپنی حیثیت پر باقی رکھیں تو بھی مشکل ہے اور جس چیز سے اشکال دور ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ابن عبدالسلام نے قسم کو اپنی حقیقت پر باقی رکھا ہے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہو سکے گی۔ اقسم علیک بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (کہ تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم دیتا ہوں) اگر حلف بغیر اللہ کی نہی کے لئے اس کا مخصوص ہونا صحیح ہو' باقی کلام معروف اور اس کے مشابہ دوسری کلام میں قسم کو توسل پر محمول کیا جائے تو اس وقت کوئی اشکال نہیں ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ الخ میں (شیخ غماری) کہتا ہوں کہ حضرت معروف کرخی سے روایت کردہ وہ فرمان یہ ہے جو انہوں نے اپنے شاگردوں کو کہا اذاکانت لکم عنداللّٰہ حاجۃ فاقسموا علیہ بی ای فتوسلوا الیہ بی یعنی جب تمہیں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کوئی حاجت پیش ہو تو میرا وسیلہ پیش کرو۔

مستثنیٰ ہیں امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قسم کو جائز اور اسی قسم کے توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب قرار دیا ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خود قسم کھائی ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے لعمرک انہم لفی سکرتہم یعمھون[1] یہ اللہ رب العزت کی طرف سے حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم ہے، متقدمین اور متاخرین مفسرین کرام کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے ابن قیم نے کہا بلکہ اسلاف میں سے کسی نے اس تفسیر سے اختلاف نہیں کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کے اہل ٹھہرے کہ قسم کھائی جائے دوسری مخلوق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہزار ہا درجے بہتر ہیں۔ کہ آپ کی قسم کھائی جائے کیونکہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ شہادت کے دو حصوں میں سے ایک حصہ ہیں جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی نہ ہو انسان کا اسلام ہی مکمل نہیں ہوتا۔ اسی کا ادراک امام عزالدین کو ہوا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قسم کو خصائص مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا، لیکن ابن تیمیہ وغیرہ اسے نہ سمجھ سکے اور ان کے کلام کو

[1] امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب (الاکلیل فی استنباط التنزیل) میں اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی اس پر کفارہ لازم ہے۔

توسل پر محمول کر بیٹھے

۳۔ امانت علمی کا تقاضا تھا کہ ابن تیمیہ امام عزالدین کی کلام کو بلفظہ نقل کرتے پھر وہ قسم کو توسل پر محمول کرتے جیسا کہ برزلی نے کیا اور قاری پر چھوڑ دیتے کہ وہ ان کی رائے اور ان کے مخالفین کی رائے کے درمیان موازنہ کرتے یا تو وہ کلام امام عزالدین سمجھ کر کہتا کہ انہوں نے توسل کو یقینی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات میں سے شمار کیا ہے اس طرف توجہ ہی نہ کرتا کہ قسم کو توسل پر محمول کیا جائے یہ ایسی خیانت ہے جس کا کوئی عالم (جو اپنے آپ کو عزت دار سمجھتا ہو، اور اپنی کرامت علمی پر فخر بھی کرتا ہو) ارتکاب نہیں کرتا، بہت درگزر اور چشم پوشی کے باوجود کم از کم اتنا ضرور کہا جائے گا کہ ابن تیمیہ سے غلطی ہوئی ہے۔

ابن تیمیہ کی کتب تناقض سے مالا مال ہیں

دوسرا مسئلہ:۔ ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں توسل کو خاص طور پر ذکر کیا ہے انہوں نے ۷۱۱ھ میں مصر میں اسے تحریر کیا چنانچہ وہ فرماتے ہیں "منسک مروزی" میں امام احمد سے روایت کردہ ایک دعا نقل کی گئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سوال ہے۔ اور ایک روایت بھی آپ سے کی جاتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کا جواز ہے اور علماء نے دونوں امور میں نہی کو عظیم قرار دیا ہے۔ الخ اور ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "قاعدہ جلیلہ" میں اس بیمار آدمی کے

اثر کو بھی ذکر کیا ہے جو عبدالملک بن ابجر کی خدمت میں علاج کے لئے حاضر ہوا۔ پچھلے باب کے آخر میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ یہ دعا اور اسی طرح کی اور دعائیں اسلاف سے منقول ہیں اور "منسک مروزی میں بھی امام احمد بن حنبل سے توسل بالنبی کی حدیث روایت کی گئی ہے الخ ذرا غور کیجئے اللہ رب العزت آپ کو توفیق دے ابن تیمیہ نے کیسے اعتراف کیا ہے کہ سلف صالحین اور امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی دعاؤں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ پکڑا ہے پھر ان کی اس بات کا پچھلے مسئلہ سے موازنہ کریں کہ "صحابہ، تابعین، اور اسلاف امت غرضیکہ کسی سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے ایسی دعا مانگی ہو اور علماء میں سے کسی کی طرف بھی میرے پاس کوئی بات نہیں پہنچی جسے بیان کروں، ابن تیمیہ کی کلام میں تناقض واضح ہے اسے بھولیں نہیں پھر اس حدیث کو یاد کریں جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عثمان بن عفان کے پاس کسی کام کے سلسلہ میں حضرت عثمان بن حنیف کے ارشاد سے رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعا میں وسیلہ بنایا پھر قحط کے زمانہ میں حضرت بلال مزنی کا روضہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بارش کی طلب کے لئے جانا اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالی عنہا کا اہل مدینہ کو ارشاد کہ روضہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر سے کھولو یہ سب واقعات طلب شفاعت میں موکدات ہیں کہ ابن تیمیہ نے اپنی

تحقیقات میں ایک منصف عالم کا کردار ادا نہیں کیا جو اپنے مخالفین کی آراء کو انتہائی دقت اور امانت کے ساتھ بیان کرے جیسا کہ ابن حزم وغیرہ نے کیا ہے بلکہ مختلف اسلوب سے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے قاری پر اثرانداز ہو اور اسے وہم میں مبتلا کرتا ہے کہ وہ یقین کرلے فقط اسی ہی کی رائے صحیح ہے باقی ساری دنیا غلط کہتی ہے اور اس کی یہ بھی کوشش ہوتی کہ قاری کو ایسی کسی بات کا پتہ بھی نہ چلے کہ صحابہ، تابعین اور اسلاف امت کا کوئی قول ہے جو اس کی پسند کے مخالف ہو اس کے علاوہ ہولناک انداز جو اس نے اپنی کلام میں گھڑ رکھا ہے تاکہ قارئین پر اثر ڈالے کہ اس کی رائے اجماع ہے پھر تھوڑی دیر بعد اعتراف کرتا دکھائی دیتا ہے جس کی اس نے نفی کی تھی اس کا اثبات کرتا ہے اور جس عمارت کے تعمیر کرنے میں اس نے زمین و آسمان کے قلابے ملائے تھے اسے گراتا نظر آتا ہے یہی وجہ کہ ابن تیمیہ کی کتابوں میں بہت زیادہ تناقص ہے اتنا تناقص ہے کہ عہد سابق میں کسی عالم کی کتاب میں ایسا تناقص نظر نہیں آئے گا بلکہ ایک ہی کتاب میں متعدد مقامات پر تناقص ہے ایک جگہ ایک حدیث کو صحیح قرار دے گا جبکہ دوسرے موقع پر کہے گا کہ ضعیف حدیث ہے ایک مسئلہ میں ایک مقام پر اختلاف کی نفی کرے گا۔ جبکہ دوسرے مقام پر کہے گا کہ اس میں اختلاف ہے کیا انصاف پسند علماء کی یہی شان ہوتی ہے؟ اللہ ہی توفیق دے۔

تیسرا مسئلہ:۔ اس حدیث کے راوی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی کے بارے میں ہے وہ عثمان بن حنیف (تصغیر کے ساتھ) بن واہب بن عکمی بن شعلبتہ بن حارث بن مجدعتہ بن عمرو بن جیش بن عوف بن عمرو بن عوف من مالک بن اوس انصاری اوسی ان کی کنیت ابو عمرو اور بعض نے کہا کہ ابو عبداللہ ہے امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ وہ بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے لیکن اس کو بیان کرنے میں وہ اکیلے ہیں البتہ جمہور کے نزدیک کہ وہ پہلی لڑائی احد میں شریک ہوئے' ہاں ان کے بھائی سہل بن حنیف بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے اس میں کسی کا اختلاف نہیں' امام عسکری کہتے ہیں کہ عثمان 'احد اوربعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ ان کے بھتیجے ابوامامہ بن سہل بن حنیف' عبیداللہ بن عبداللہ' بن عتبہ' عمارہ بن خزیمہ بن ثابت' نوفل بن مساحق اورہانی بن معاویہ الصرفی نے ان سے روایت کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو زمین کی پیائش اور لوگوں پر جزیہ اوراخراج لگانے کے لئے عراق کا والی بنا کر بھیجا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کو بصرہ کا گورنر بنایا پھر جب حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہ بصرہ میں آئے تو انہوں نے ان کو واپس کر دیا' پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور واقعہ جمل رونما ہوا۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ علماء نے آثار و اخبار میں ذکر کیا ہے کہ حضرت

عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ سرزمین عراق کی طرف کسے بھیجا جائے تو تمام نے اجماعا" کہا کہ حضرت عثمان بن حنیف کو بھیجا جائے اور کہا کہ اگر آپ انہیں اس سے بھی اہم کام پر بھیجیں تو وہ صاحب نظر' صاحب عقل' صاحب معرفہ و تجربہ ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے جلدی سے ان کو عراق کی زمین ماپنے کے لئے عراق کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہوں نے زمین کے ہر جریب پر جسے پانی پہنچتا ہو خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد ایک اہم اورایک درہم اور ایک بوری گندم کی مقرر کی' تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات سے ایک سال پہلے سرزمین کوفہ کا ٹیکس ایک کروڑ سے زیادہ تک پہنچ چکا تھا اور جب حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہما کا لشکر بصرہ پہنچا تو اس سے حضرت عثمان بن حنیف کو کچھ پہنچا جس سے ان کے فضل میں اضافہ ہوا الخ حضرت معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ میں ان کی وفات ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

چوتھا مسئلہ:۔

ہر صاحب شفاعت سے توسل جائز

حضرت امام ابو عبداللہ فاسی مالکی نے "عدۃ الحصن الحصین" کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس پر قیاس کرتے ہوئے (یعنی توسل نابینا والی حدیث) کہا جاتا ہے ہر وہ ذات جس کی شفاعت صحیح ہے اس کا توسل

بھی جائز ہے تو دوسرے انبیاء اور اولیاء بھی شامل ہونگے۔[1]
میں کہتا ہوں دونوں قسم کے توسل کے ثبوت میں احادیث موجود

---

[1] کتاب (نزل الابرار ص ۳۷ کے باب آداب الدعاء میں ہے ان احکام میں سے بارگاہ ایزدی سے انبیاء علیہ الصلواہ والسلام کا وسیلہ پیش کرنا ہے اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو امام ترمذی نے حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کی ہے انہوں نے حدیث توسل نابینا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ان احکام میں سے ایک صالحین کا وسیلہ لینا ہے اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو صحیح میں ثابت ہے کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے بارش طلب کی پھر فرماتے ہیں کہ انبیاء اور صالحین کے توسل کے مسئلہ میں اہل علم نے بہت اختلاف کیا ہے نوبت بایں جارسید کہ ایک دوسرے پر کفرو ضلالت' بدعت و گمراہی کے فتوے لگانے لگے' حالانکہ معاملہ بالکل آسان تھا اس مسئلہ کا کافی حصہ صاحب (الدین الخالص) اور علامہ شوکانی نے (الدرالنضید فی اخلاص کلمة التوحید) میں حل کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن صورتوں اور جن شخصیات کے توسل کا ذکر روایات میں آیا ہے اسے انہی صورتوں میں بند رکھیں نہ تو اس پر قیاس کیاجائے گا اور نہ اس میں کوئی چیز بڑھائی جائیگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو خالص اللہ کی رضا کے لئے توسل کا قائل نہیں اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے توسل کیا اس نے بھی برا کام نہیں کیا بلکہ وہ فی الجملہ جائز ہے اسی طرح اعمال صالحہ کے ساتھ بھی توسل ثابت ہے جس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے بہرحال یہ مسئلہ کسی اضطراب اور شکست و ریخت کا متحمل نہیں لیکن جہالت اور تعصب کے مفاسد اور بغض و عناد کی برائیاں بے شمار ہیں۔ الخ

میں کہتا ہوں (شیخ غماری) جو کچھ اس نے کہا سچ کہا کہ توسل بھی ان دیگر مسائل کی طرح اختلاف کا شکار ہو گیا جو شخص اس کی تحریم اور کراہت کا قائل ہے ہم اس پر الزام نہیں دھرتے' بلکہ ہم تو عام کے توسل وغیرہ کے بالکل موافق نہیں۔ بلکہ ہم تو

ہیں چنانچہ انبیاء کے توسل کے ثبوت میں وہ حدیث بھی ہے جسے طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن حماد بن زغبہ نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں روح بن صلاح نے حدیث سنائی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے عاصم سے روایت کیا اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی تو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر فرمانے لگے۔ اے اماں جان اللہ رب العزت آپ پر رحم کرے' میری والدہ محترمہ کے بعد آپ ہی میری ماں تھیں' آپ بھوکی رہتیں لیکن مجھے سیر رکھتیں خود قربانی دے کر مجھے ہی لباس پہناتیں اچھی چیز کھانے سے خود محروم رہتیں اور مجھے کھلاتیں' فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور یوم آخرت کے لئے پھر آپ نے حکم دیا کہ انہیں تین بار غسل دیا جائے' جب کافور ملا پانی پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے رکھا اور اپنی

عقیدے کے سوداگروں اور علم کے ٹھیکیداروں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں ان کی تو ایک ہی ناپسند راگنی ہے جس پر ان کی تربیت ہوئی ہے وہ ہمیں بری لگتی ہے وہ ہے مسلمانوں پر کفر کے فتوے اور ان کو شرک کا نشانہ بنانا اور ان پر حکم لگانا کہ وہ اسلام سے نکل گئے ہیں لگتا ہے انہوں نے کفر و شرک کی مشین لگائی ہوئی ہے جسے چاہتے ہیں مشرک و کافر بنا دیتے ہیں۔

قمیض اتار کر انہیں پہنائی اور اپنی اوپر والی چادر کو اتار کر ان کو کفن دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید' ابو ایوب انصاری حضرت عمر بن خطاب اور ایک سیاہ غلام رضی اللہ تعالی عنہم کو قبر کھودنے کا حکم دیا' تو انہوں نے ان کی قبر کھودی جب لحد تک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس قبر میں اتر کر لحد کھودی اور اپنے دست اقدس سے مٹی باہر نکالی فارغ ہو کر لحد میں داخل ہو کر لیٹ گئے اور فرمایا (اللّٰہ الذی یحی ویمیت وھو حی لایموت اغفرلامی فاطمة بنت اسد ولقنھا حجتھا ووسع علیھا مدخلھا بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الراحمین (اللہ تعالی وہ ذات ہے جس کے قبضہ قدرت میں موت و حیات ہے وہ زندہ ہے جس پر موت نہیں آتی اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کو معاف فرما دے' اسے صحیح جواب کی توفیق عطا فرما ان کی قبر ان کے لئے وسیع فرما دے' اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے بخش دے کیونکہ سب سے بڑا رحیم تو ہی ہے۔) ان پر چار تکبیریں پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو قبر میں اتارا اس حدیث کی سند حسن ہے اور حضرت فاطمہ بنت اسد بڑی فضل والی صحابیہ ہیں امام شعبی کہتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کیا پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں ان کی وفات

ہوئی' زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ وہ پہلی ہاشمیہ خاتون ہیں جنہوں نے ایک خلیفہ کو جنم دیا پھر ان کے بعد حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالی عنہا۔

دو اہم باتیں

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔

ا۔ فاطمہ بنت اسد ان فواطم میں سے ایک ہیں جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے جسے ابن ابی عاصم نے ابو فاختہ کے واسطہ سے جعدہ بن ھبیرہ سے روایت کیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار ایک ریشم قسم کا کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا گیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! اس کے دوپٹے بنا کر فواطم میں تقسیم کر دو وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے چار دوپٹے بنائے ایک فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دوسرا فاطمہ بنت اسد کے لئے' تیرا فاطمہ بنت حمزہ کے لئے حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ انہوں نے چوتھے کا ذکر نہیں فرمایا شاید وہ فاطمہ زوجہ عقیل کے لئے ہو جو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے بھائی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ان کا نام فاطمہ بنت شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس العبشمیہ ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے وہ فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس العبشمیہ' حضرت معاویہ کی ماں ہند کی بہن ہیں۔

۲۔ فاطمہ بنت اسد وہ فاطمہ نہیں جو بنت ابی اسد مخزومیہ ہیں جن کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زیور چوری کرنے کی وجہ سے کاٹا تھا اور ان کا قبیلہ سفارش کے سلسلہ میں بارگاہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تھا' حتی کہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید ' جو محبوب رسول' ابن محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' کو بھی سفارش کیلئے بھیجا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا اتشفع فی حد من حدود اللّٰه؟(اے اسامہ تم بھی اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد قائم کرنے میں درگزر نہ کیا اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کا نام فاطمہ بنت اسود بن عبدالاسد ہے انہوں نے اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

غیر انبیاء سے توسل

اور غیر انبیاء سے توسل کے بارے بھی احادیث وارد ہوئی ہیں

ا۔امام احمد ' ابن ماجہ اورابن خزیمہ نے کتاب التوحید اور طبرانی نے الدعاء میں اور ابو نعیم وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز کے لئے گھر سے نکلا اور اس نے یہ دعا مانگی اے اللہ میں تیری بارگاہ میں سائلین کے واسطہ سے اور ان قدموں کے چلنے کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں' میں کسی شر' تکبر' ریا اور شہرت کے لئے نہیں نکلا

میں تیری ناراضگی سے بچنے اور تیری رضا کی طلب کے لئے تجھ سے مانگا کرتا ہوں کہ جہنم کی آگ سے پناہ اور میرے گناہ معاف فرما دے کیونکہ تیرے سوا کوئی اور گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ تو اللہ تعالی اپنی رحمت سے اس پر متوجہ ہوتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔

امام نووی نے نے "الاذکار" میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ حسن حدیث ہے جیسا کہ حافظ ابوالحسن بن مفضل المقدسی المالکی' حافظ عراقی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس پر تصریح کی ہے۔

۲۔ اس حدیث کا ایک شاہد حدیث بلال ہے جو ابن سنی کی عمل الیوم واللیلہ میں مذکور ہے اور طبرانی کے ہاں باب دعا میں حدیث ابی امامہ ہے جو ارباب خیر کے وسیلہ کا بالعموم فائدہ دیتی ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن علان صدیقی نے "شرح الاذکار" میں فرمایا ہے۔ اور طبرانی نے صحیح اسناد کے ساتھ امیہ بن عبداللہ بن خالد بن اسید کے ذریعے سے مرسلا" روایت کیا ہے کہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کمزور مسلمانوں کے واسطہ سے طلب فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کمزور مسلمانوں کے وسیلہ سے طلب نصرت کیا کرتے تھے اور حضرت عباس کے وسیلہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بارش کی دعا مانگا کرتے تھے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

۳۔ امام ابویعلی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے دو واسطوں سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں پر ایک وقت آئیگا۔ ان کے لشکروں میں سے ایک لشکر نکلے گا تو پوچھا جائے گا کیا تم میں سے ایسا شخص ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہو؟ تو اس کے وسیلہ سے طلب نصرت کریں تو وہ فتح یاب ہوں گے۔ پھر پوچھا جائے گیا کیا تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے تو کہا جائے گا۔ نہیں! تب پوچھا جائے گا ان کے صحابی یعنی تابعی ہو؟ اگر انہوں نے سنا کہ وہ سمندر کی دوسری طرف ہے تو وہاں جائیں گے حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ دونوں سندوں کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۴۔ اوسط' معاجم طبرانی میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین چالیس آدمیوں سے ہرگز خالی نہیں رہ سکتی جو خلیل الرحمن کے مثل ہوں گے ان کی موجودگی میں تمہیں بارشیں عطا ہوں گی اور انہیں کے واسطہ سے تم مدد کئے جاؤ گے۔ ان میں سے جب بھی کسی کی وفات ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت اس کی جگہ ایک اور بدل عطا فرماتا ہے سعید کہتے ہیں۔ کہ میں نے قتادہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہمیں بالکل شک نہیں کہ حضرت حسن بصری ان میں سے ہیں۔ حافظ ہیثمی کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ الخ اس حدیث میں رہنمائی ہے کہ ابدال کا وسیلہ پیش کیا جائے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اولیاء سے ہیں۔ اور

گذشتہ حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ صحابہ اور تابعین کے وسیلہ سے طلب نصرت کی جائے۔

پانچواں مسئلہ:۔ ان وظائف و اذکار کے بارے میں جو قضاء حاجات کیلئے پڑھے جاتے ہیں میں نے پسند کیا کہ ان پر بھی کچھ گفتگو کرتے ہوئے مکمل فائدے کے لئے ان کو یہاں ذکر کروں۔

۱۔ ان میں سے ایک یہ ہے جسے امام ترمذی' ابن ماجہ' طبرانی اور عبدالرزاق طبسی نے باب (الصلوہ) میں روایت کیا ہے وہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وہ شخص جس کی اللہ تعالی یا کسی انسان کی طرف کوئی ضرورت ہے تو وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھے' پھر اللہ رب العزت کی حمد و ثنا کر کے رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر کہے اللہ حلیم و کریم کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ رب العزت ہر عیب و نقص سے پاک ہے وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ میں تجھ سے تیری رحمت کے موجبات' تیری مغفرت کے عزائم' ہر نیکی سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں' اے ارحم الراحمین میرا ہر گناہ معاف فرما دے۔ میرا ہر غم دور کر دے یا ارحم الراحمین میری ہر حاجت (جس میں تیری رضا ہے) کو پورا کر دے۔ ابن ماجہ نے یا ارحم الراحمین کے بعد ان کلمات کا اضافہ فرمایا ہے (پھر وہ دنیا و آخرت میں

سے جو کچھ مانگے' اس کی ضرورت پوری کی جائیگی) ترمذی نے کہا کہ یہ غریب ہے اور اس کے اسناد میں کچھ کلام ہے۔ حدیث میں "فائد" کو ضعیف شمار کیا جاتا ہے اور "حاکم" نے اسے مختصرا" روایت کیا ہے اوراس کے بعد انہوں نے (وعزائم مغفرتک) (والعصمة من كل ذنب) کے کلمات کو اضافہ کے طور پر ذکر کیا ہے پھر کہا کہ میں نے اس کا شاہد بھی روایت کیا ہے اور فائد مستقیم الحدیث ہیں۔ الخ اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں بیان کیا ہے۔ اور فائد کی وجہ سے اسے کمزور کہا ہے۔ اور حافظ امام سخاوی اس پر گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں بہر حال یہ حدیث یقینی طور پر ضعیف ہے اسے فضائل اعمال میں ذکر کیا جاتا ہے ۔ لیکن اس کا موضوع ہونا ثابت نہیں' اس کے اور بہت زیادہ شواہد ہیں' جو بعد میں ذکر کئے جائیں گے۔

۲۔ ان وظائف میں سے وہ ہے جسے امام طبرانی نے باب دعا میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں کوئی حاجت ہو اور اس میں تمہارا کامیابی کا ارادہ ہو تو یہ پڑھو۔(لا اله الا الله وحده لا شريک له العلی العظيم لا الا اله الله وحده لا شريک له رب السماوات والارض ورب العرش العظيم كانهم يوم يرونها لم يلبثوا الا عشية اوضحها كانهم يوم يرون مايوعدون لم يلبثوا الا ساعة من نهار بلاغ فهل يهلک الا القوم الفاسقون اللهم انی اسألک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والسلامة من كل اثم والغنية من كل بحر والفوز بالجنة والنجاة من النار اللهم لا تدع لی ذنبا" الا غفرته ولا هما الا فرجته ولا حاجة هی لک رضاء الا قضيتها يا ارحم الراحمين) اس کی سند میں ابو معمر عیاذ بن عبد الصمد ہے۔ جو یقینی طور پر ضعیف ہے۔

۳۔ ان اوراد اور وظائف میں سے وہ بھی ہے جسے اصبہانی نے " الترغیب" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے علی! کیا تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں جب تمہیں کوئی غم یا وہم لاحق ہو تو اس دعا کے ذریعہ سے تم اپنے رب کو پکارو' تو اللہ تعالی کے حکم سے تمہاری دعا قبول کی جائے اور اس غم سے تمہاری کشادگی ہو' تم وضو کرکے' دو رکعت نماز پڑھو اور اللہ رب العزت کی حمد و ثنا کرو' پھر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھکر' اپنے اور تمام مسلمانوں مرد عورت کے لئے مغفرت طلب کرو پھر یہ پڑھو ۔(اللهم انت تحکم لا اله الا اللّه الحنيم الكريم سبحان الله رب السماوات السبع ورب العرش العظيم' الحمد لله رب العالمين' اللهم كاشف الغم مفرج الهم' مجيب دعوه

المضطرین اذا دعوک رحمن الدنیا والاخرہ
ورحیمھما فارحمنی فی حاجتی ھذہ بقضائھا
ونجاحھا رحمہ تغنینی بھا عن رحمہ من سواک)
اس کا اسناد بھی ضعیف ہے۔

۴۔ اور ان وظائف میں سے وہ ہے جسے دیلمی نے "مسند الفردوس" میں شقیق بن ابراہیم بلخی (جو بہت مشہور عابد ہیں) نے ابو ہاشم سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

جس شخص کی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کوئی حاجت ہو، تو وہ مکمل وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایتہ الکرسی جبکہ دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور آمن الرسول الخ پڑھے پھر تشہد کے بعد سلام کر کے یہ دعا پڑھے (اللھم یا مونس
کل وحید ویا صاحب کل فرید ویا قریبا" غیر
بعید ویاشاہدا" غیر غائب ویا غالبا" غیر
مغلوب، یاحی یا قیوم یا ذالجلال والاکرام یا بدیع
السماوات والارض اسألک باسمک الرحمن
الرحیم الحی القیوم الذی عنت لہ الوجوہ
وخشعت الاصوات ووجلت لہ القلوب من

خشیتہ ان تصلی علی محمد وعلی آل محمد
وان نفعل بی کذا وکذا) تو اس شخص کی حاجت پوری کی جائیگی
ابو ہاشم کا نام کثیر بن عبداللہ ایلی ہے وہ بالکل متروک الحدیث ہے۔

۵۔ اور ان وظائف میں سے وہ بھی ہے جسے عبدالرزاق طبسی نے اپنی کتاب "الصلوہ" میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام ایمن کو فرمایا کہ تمہیں جب کوئی ضروت پیش آ جائے اور اس کی کامیابی کی بھی خواہش ہو تو تم دو رکعت نماز پڑھو ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد دس بار سبحان اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھو تم جب بھی اس دعا کا ایک جملہ پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ میرے لئے ہے۔ میں نے اسے قبول کیا تم جب اس سے فارغ ہو کر تشہد پڑھ لو تو سلام سے پہلے سجدے کرو اور سجدے کی حالت میں کہو (یااللہ انت
اللہ لاغیرک، یا حی یا قیوم، یا ذالجلال والاکرام،
صل علی محمد وعلی الہ الطیبین الاخیار
واقض حاجتی ھذہ یا رحمن واجعل الخیرہ فی
ذلک انک علی کل شئی قدیر) اے ام ایمن بندہ جب اللہ کو خوشی کی حالت میں یاد کرتا ہے اور مصیبتوں کا اس پر نزول ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ جانی پہچانی آواز ہے رب کی بارگاہ میں اس کی سفارش کرو اور اس کی دعا پر آمین کہو، تو اللہ رب العزت اس سے اس

کی خلاصی کرتا ہے اور اس کی حاجت پوری کرتا ہے حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ اس کی سند بالکل ضعیف ہے۔

٦۔ ان اوراد میں سے وہ ہے جسے ابن جوزی نے موضوعات میں ابان بن ابی عیاش کے واسطہ سے روایت کیا ہے اور وہ حضرت انس اور وہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (وہ شخص جسے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں فوری یا تاخیر سے کوئی حاجت ہو' تو پہلے اللہ تعالی کی بارگاہ میں صدقہ پیش کرے پھر بدھ' جمعرات اور جمعہ کے تین روزے رکھے' اور جمعہ کے دن جامع مسجد میں جا کر بارہ رکعت نفل پڑھے' پہلی دس رکعتوں میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور دس دفعہ آیہ الکرسی پڑھے' پھر دو رکعتوں کی ہر رکعت میں ایک دفعہ سورہ فاتحہ پچاس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے' اس کے بعد بیٹھ کر اللہ رب العزت سے اپنی حاجت مانگے' تو جلد یا بدیر اللہ تعالی اس کی ضرور حاجت پوری کرے گا' ابن جوزی نے فرمایا ہے کہ ابان متروک الحدیث ہے میں کہتا ہوں کہ ابان اپنی صلاحیت کے بارے ضعیف ہے۔

٧۔ ان اوراد میں سے یہ بھی ہے جسے حاکم اور امام بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم دن یا رات میں بارہ رکعتیں پڑھو' اور ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھو' جب تم آخری تشہد پڑھو' تو اللہ تعالی کی

حمد وثنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو اور سجدے کی حالت میں سات مرتبہ سورہ فاتحہ اور سات مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھنے کے بعد (لا الہ اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر) دس مرتبہ پڑھو' پھر کہو اللھم انی اسئالک بمعا قد العز من عرشک ومنتھی الرحمۃ من کتابک واسمک الاعظم وجدک الاعلی وکلماتک التامۃ) پھر اپنی حاجت مانگو' اس کے بعد اپنا سر سجدے سے اٹھا کر دائیں بائیں سلام کرو' یہ دعا نااہل لوگوں کو بالکل نہ بتاؤ کیونکہ وہ اسے غیر اہم چیزوں میں استعمال کر سکتے ہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ احمد بن حرب نے کہا کہ میں نے اس کا تجربہ کیا تو اسے بالکل حق پایا ابراہیم بن علی دبیلی کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس کا تجربہ کیا ہے اسے بالکل صحیح پایا ہے یہی بات ہمیں امام ابوزکریا نے کہی' امام حاکم کہتے ہیں کہ میں نے بھی تجربہ کیا ہے اس کو بالکل صحیح پایا ہے۔

میں (شیخ غماری) کہتا ہوں کہ اس کی سند بالکل ضعیف ہے جیسا کہ امام سخاوی نے بھی یہی فرمایا ہے ابن جوزی نے اسے واہیات میں شمار کیا ہے حافظ منذری نے اپنے شیخ حافظ ابوالحسن مقدسی سے نقل کیا ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں اعتماد تجربہ پر ہوتا ہے سند پر نہیں۔

لیکن اس کے باوجود اس کے ورود کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتقاد نہ کیا جائے تاکہ بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب کی وعید

میں داخل نہ ہو جائے' اس حدیث کے صحیح ترین سندوں میں سے'
جیسا کہ امام سخاوی نے فرمایا ہے وہ ہے جسے ہشیم بن ابی ساسان نے
ابن جریج سے اور وہ حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ صحیح یہ
ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہے۔

۸۔ ان اوراد میں سے یہ ہے جسے ابوموسی مدنی اور ابوعبید نمیری نے
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں
نے فرمایا(جس شخص کی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کوئی حاجت ہو' تو
وہ بدھ' جمعرات' اور جمعہ کے تین روزے رکھے اور جمعہ کے دن پاک'
صاف ہو کر مسجد کی طرف جائے' تھوڑا بہت جتنا ہو سکے صدقہ کرے'
پھر جمعہ کی نماز پڑھ کر یہ دعا مانگے (اللھم انی اسئالک باسمک
بسم اللہ الرحمن الرحیم الذی لا الہ الا ھو عالم
الغیب والشھادہ الرحمن الرحیم اسئالک باسمک
بسم اللہ الرحمن الرحیم الذی لا الہ الا ھو الحی
القیوم لا تاخذہ سنہ ولا نوم الذی ملات عظمتہ
السماوات والارض واسئالک باسمک بسم اللہ
الرحمن الرحیم الذی لا الہ الا ھو الذی عنت لہ
الوجوہ و خشعت لہ الابصار' ووجلت لہ القلوب
من خشیتہ ان تصلی علی محمد صلی اللہ علیہ
وسلم) اور یہ کہ میری حاجت پوری کر اور وہ یہ یہ ہے تو ان شاء اللہ

اس کی دعا قبول کی جائے گی۔' وہ کہتے ہیں کہ کہا جاتا تھا کہ یہ دعا بے
سمجھوں کو نہ سکھاؤ تاکہ وہ اسے غلط استعمال نہ کر بیٹھیں۔ یہ حدیث
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما پر موقوف ہے۔

۹۔ ان دعاؤں میں سے یہ ہے جسے دینوری نے (المجالسہ) میں حضرت
حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ یہ کشاوگی کے حصول اور غم کو دور
کرنے کی دعا ہے۔(یا حابس یدابراہیم عن ذبح ابنہ
وھما یتنا جیان اللطف یا ابت یا بنی یا مقیض
الرکب لیوسف فی البلد القفر وغیابۃ الجب و
جاعلہ بعد العبودیہ نبیا ملکا یا من سمع الھمس
من ذی النون فی ظلمات ثلاث ظلمۃ قحر البحر
وظلمہ اللیل وظلمۃ بطن الحوت یا راد حزن
یعقوب ویا راحم عبرہ داودویاکاشف ضر ایوب یا
مجیب دعوہ المضطرین یا کاشف غمھم
المھحومین صل علی محمد وعلی آل محمد
واسألک ان تفعل لی) آگے جو کچھ چاہے اپنی حاجتیں ذکر
کرے۔

۱۰۔ ان دعاؤں میں سے یہ بھی ہے جسے عبدالرزاق طبسی نے حضرت
ابن عباس سے مرفوعاً" روایت کیا ہے کہ جس شخص کی اللہ تعالی کی
بارگاہ میں کوئی حاجت ہو تو مکمل اچھی طرح وضو کرے پھر ایسی جگہ

جہاں اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو چار رکعت نماز نفل پڑھے ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد پہلی رکعت میں دس مرتبہ دوسری میں بیس تیسری میں تیس اور چوتھی رکعت میں چالیس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پچاس مرتبہ سورہ اخلاص اور ستر بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور ستر بار (لا حول ولا قوہ الا باللہ) پڑھے اگر اس پر قرض ہو گا تو اللہ رب العزت اس کا قرض پورا کردے گا اور اگر وہ غریب الوطن ہو گا تو اللہ تعالی اسے واپس لے آئیگا۔ اگرچہ بادلوں کی طرح اس کے گناہ کثیر کیوں نہ ہوں پھر وہ اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالی اس کے گناہ معاف فرما دے گا اور اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اللہ تعالی اسے اولاد کی دولت سے نوازے گا۔ اگر دعا مانگے تو قبول ہو گی اگر نہیں مانگے گا تو اللہ رب العزت اس سے ناراض ہو گا ابن عباس کہا کرتے تھے کہ بے سمجھوں کو یہ دعا نہ بتاؤ وگرنہ وہ اسے غلط استعمال کر بیٹھیں گے۔ امامؒ سخاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس کی سند کمزور ہے۔

۱۱۔ ان میں سے ایک یہ ہے جسے دیلمی نے "مسند الفردوس" میں دو مقامات پر ربیع سے روایت کیا ہے۔ جو ابو جعفر منصور کے دربان تھے وہ کہتے ہیں۔ کہ جب ابو جعفر منصور کی خلافت نے قرار پکڑا تو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ کسے بھیج کر امام جعفر صادق کو بلواؤ پھر گھنٹہ کے بعد دوبارہ کہا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا کہ جعفر بن محمد صادق کو بلواؤ خدا

کی قسم جلدی بلواؤ وگرنہ میں تمہیں قتل کردوں گا۔ جب میں نے کوئی چارہ نہ پایا تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے ابو عبداللہ! امیرالمومنین کے ارشاد کی تعمیل کی جائے تو وہ اسی وقت میرے ساتھ کھڑے ہو گئے جب ہم دروازے کے قریب ہوئے، تو وہ کھڑے ہو کر کچھ دیر ہونٹوں کو ہلاتے رہے۔ اس نے بیٹھے کا نہ کہا پھر اس نے اپنا سر ان کی طرف اٹھا کر کہا کہ اچھا جعفر تم ہو جس نے ہمارے خلاف لوگوں کو جمع کرنا شروع کر دیا تم نے بہت کچھ کر لیا، میرے والد گرامی نے اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن ہر بغاوت کرنے والے کا جھنڈا ہو گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔) تو امام جعفر صادق نے جواب دیا کہ میرے والد گرامی اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن عرش کے باطن سے آواز دینے والا آواز دے گا جس کا اللہ رب العزت پر اجر ہے وہ کھڑا ہو جائے تو کوئی شخص کھڑا نہیں ہو گا مگر وہ کھڑا ہو گا جس نے اپنے بھائی سے درگزر کیا ہو گا۔) حضرت امام جعفر برابر یہ کہتے رہے یہاں تک کہ منصور کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور ان کے بارے نرم ہو گیا، تو کہا، اے ابو عبداللہ تشریف رکھئے اور بلند ہو جائیے پھر اس نے عطر کی شیشی منگوائی اور اپنے ہاتھ سے انہیں خوشبو لگانا شروع کر دی یہاں تک کہ امیرالمومنین کی انگلیوں سے عطر کے قطرے گر رہے

تھے۔ پھر کہا اے ابو عبداللہ' اللہ کی امان میں جاؤ۔ اور مجھے حکم دیا کہ اے ربیع ابو عبداللہ کے پیچھے تحائف و ہدایا بھی بھجوا دو' اور ان کے لئے دو گنا کر دو' جب وہاں سے نکلے تو میں نے عرض کیا اے ابو عبداللہ آپ کے ساتھ جو میری محبت ہے اسے جانتے نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں اے ربیع تم ہم سے ہو' کیونکہ میرے والد گرامی نے اپنے دادا سے یہ روایت کی ہے کہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم کا خادم انہیں میں سے ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا اے ابو عبداللہ' جس چیز کا میں نے مشاہدہ کیا آپ نے نہیں دیکھی' اور جسے میں نے سنا آپ نے نہیں سنا آپ جب امیرالمومنین کے ہاں تشریف لے گئے تو میں نے دیکھا کہ داخلے کے وقت آپ اپنے ہونٹوں کو ہلا رہے ہیں کیا یہ ایسی چیز تھی جسے آپ اپنی طرف سے کہہ رہے تھے؟ یا آپ کے آباؤ اجداد سے منقول ہے؟ تو آپ نے فرمایا بلکہ میرے والد گرامی اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو یہی دعا مانگا کرتے تھے۔اللھم احرمنی بعینک التی لا تنام واکفنی برکنک الذی لا یرام وارحمنی بقدرتک علی فلا اہلک وانت رجائی فکم من نعمہ انعمت بھا علی قل لک بھاشکری وکم من بلیہ ابتلیتنی بھاقل لک بھا صبری فیا من قل عند نعمتہ شکری فلم

یحرمنی ویامن قل عند بلیہ صبری فکم یخذلنی ویامن رانی علی الخطایا فلم یفضحنی یاذاالمعروف الذی لاینقضی ابدًا" ویاذاالنعماء التی لا تحصی عددا"" اسئالک ان تصلی علی محمد وعلی آل محمد وبک ادرافی نحور الاعداء والجبارین اللھم اعنی علی دینی بالدنیا وعلی آخرتی بالتقوی واحفظنی فما غبت منہ ولاتکلنی الی نفسی فیما خطرتہ علی یامن لاتضر الذنوب ولاینقصہ العفو ھب لی مالا ینقصک واغفرلی مالا یضرک انک انت الوہاب اسئالک فرجا قریبا وصبرا" جمیلا"" ورزقا" واسعا"" والعافیہ من البلایا وشکر العافیة) اور دوسری روایت میں ہے (واسئالک تمام العافیة واسئالک دوام العافیة واسئالک الشکر علی العافیة واسالک الغنی عن الناس ولا حول ولا قوہ الا باللّٰہ العلی العظیم) امام سخاوی فرماتے ہیں کہ اس کی سند بالکل ضعیف ہے۔

۱۲۔ ان اوراد میں سے وہ ہے جسے امام عقیلی' ابویعلی طبرانی نے اور امام بیہقی نے "الدعوات" اور فضائل اوقات میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ

و آلہ وسلم نے فرمایا(اللہ کے بندوں میں سے مرد ہو یا عورت اس نے نو ذوالحج کی رات ان دس کلمات سے ہزار مرتبہ دعا مانگ کر اللہ تعالی سے جو کچھ مانگے گا اللہ تعالی اسے ضرور عطا فرمائے گا۔ مگر قطع رحمی اور گناہ کی دعا نہ ہو' وہ دس کلمات یہ ہیں۔(سبحان الذی فی السماء عرشه' سبحان الذی فی الارض موطئه سبحان الذی فی البحر سبیله سبحان الذی فی النار سلطانه سبحان الذی فی الجنه رحمته سبحان الذی فی القبور قضاؤه سبحان الذی فی الهواء روحه سبحان الذی رفع السماء سبحان الذی وضع الارض سبحان الذی لا ملجاء ولا منجاء منه الا الیه)(تمہیں باوضو ہونا چاہئے جب تم دعا ختم کرو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد اللہ تعالی سے از سر نو اپنی حاجت مانگو' اور جو کچھ تم چاہو' مانگو ماسوائے گناہ اور قطع رحمی کے' اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے لیکن ان کا تعاقب کیا گیا ہے صحیح یہ ہے کہ ضعیف ہے موضوع نہیں۔

۱۳۔ ان دعاؤں میں سے یہ بھی ہے جسے حاکم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مرفوعاً" روایت کیا ہے کہ جس نے چار مرتبہ الحمد لله رب العالمین پڑھا پھر اگر پانچویں بار پڑھے گا تو ایک فرشتہ آواز دیتا ہے جس کی وہ آواز نہیں سنتا کہ اللہ تعالی کی

رحمت تم پر متوجہ ہے۔ جو چاہو مانگو ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے اور حافظ نے (امالی) میں اس کا تعاقب کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کی تائید میں ایک حدیث قدسی لائے ہیں وہ یہ ہے۔(جو شخص میرے ذکر میں اتنا مشغول ہوا کہ مانگنا بھول گیا تو اس کے مانگنے سے پہلے میں اسے عطا کروں گا' اور ایک روایت میں ہے کہ میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا)

۱۴۔ ان اوراد میں سے وہ ہے جسے ابن مندہ نے "مسند ابراہیم بن ادہم" میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے وہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(جس شخص نے ان اسماء کے ساتھ دعا مانگی تو اللہ تعالی اس کی دعا قبول فرمائے گا۔(اللهم انت حی لاتموت وانت خالق لاتغلب وانت بصیر لا ترتاب وسمیع لاتشک وصادق لاتکذب وغالب لاتغلب وابدی لاتنفد وقریب لاتبعد وغافر لاتظلم وحمد لاتطعم وقیوم لاتنام ومجیب لاتسام وجبار لاتقهر وعظیم لاترام وقوی لاتضعف ووفی لاتخلف وعدل لاتحیف وغنی لا تفتقر وعلیم لاتجور و منیع لاتقهر ومعروف لاتنکر ووکیل لاتحقر وقدیر لاتستامر وفرد لاتستشیر ووهاب لاتمل

وسریع لاتنذبل وجواد لاتبخل عزیز لاتنل وقائم لاتنام محتجب لاتری وحافظ لاتغضل ودائم لاتفنی وباق لاتبلی وواحد لاتشبه ومقتدر لاتنازع)اور اس حدیث کے آخر میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ کسی چیز کے لئے بھی ان اسماء کے ساتھ دعا کریگا تو اس کی دعا قبول کی جائیگی۔ اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث مظلم کے واسطہ سے روایت کی گئی جس میں جہالتیں ہیں اور اس میں زیادتیاں اور کمیاں بھی ہیں۔ میں کہتا ہوں جس واسطے کا انہوں نے اشارہ کیا ہے اسے ابو نعیم نے (حلیہ) میں کمزور اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۱۵۔ اسے ابن نجار نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ اور ان کی روایت میں آیا ہے۔(اللهم انی اسئالک ولا اسال غیرک اترغب الیک ولا ارغب الی غیرک واسئالک یاامان الخائفین وجار المستجیرین مفیض الخیرات مقیل العثرات ممحی السیات رافع الدرجات واسالک بافضل المسائل کلها اعظمها وانجحها الذی لاینبعی ان یسالوک الا بها یاالله یا رحمن باسمک وباسمک الحسنی وبامثالک العلیا ونعمتک التی لاتحصی وباکرام اسمائک

علیک واحبها الیک واشرفها عندک منزله واقربها منک وسیله و اجزالها منک ثوابا" واسراعها منک اجابه وباسمک المخزون الجلیل الاجل الاعظم الذی تحبه وتهواه وترضی عمن دعاک به وتستجیب له دعاه وحقا علیک الاتحر سائلک وبکل اسم هولک علمته احدا من خلقک اولم تعلمه احدا" وبکل اسم دعاک به حمله عرشک وملائکتک والراغبون الیک والمتعوذون بک والمتضرعون الیک وبحق کل عبدمتعبد لک فی بر او بحر اوسهل او جبل وادعوک دعاء من اشتدت الیک فاقته وعظم حزنه واشرف علی الهلکه وضعفت قوته ومن لایثق بشئی من عمل' ولا یجد لفاقته ولا لزنبه غافرا" غیرک ولامغیثا" سواک هربت الیک معترفا" غیر مستنکف ولامستکبر عن عبادتک بائسا حقیرا" متحیرا" واسئالک بانک اللّٰه الذی لا اله الا انت الحنان المنان وبدیع السموات والارض ذوالجلال والاکرام عالم الغیب والشهاده الرحمن الرحیم انت الرب وانا العبد وانت الملک وانا

المملوک وانت العزیز وانا الزلیل وانت الغنی وانا الفقیر وانت الحی واناالمیت وانت الباقی وانا الفانی وانت المحسن وانا المسیی وانت الغفور وانا المذنب وانت الخالق وانا المخلوق وانت القوی وانا الضعیف وانت الرزاق وانا المرزوق وانت احق من شکوت الیه واستعنت به وسالته ورجوته کم من ذنب قد غفرت وعن مسئی قد تجاوزت عنه فاغفرلی وتجاوز عنی) پھر تم اپنی حاجت طلب کرو' اور یہ حدیث اگرچہ بہت عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور تنزیہ میں بڑے جملوں پر مشتمل ہے اور اسی ہی کی طرف احتیاجی کابیان ہے لیکن ماسبق کی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جملہ "لتقضی" جو اذکار اور دعاؤں میں جب حاجات عارض ہو تو کہاجاتا ہے یہ خود بہت کمزور ہے بلکہ بعض ان میں سے وہ ہیں جنہیں موضوعات میں درج کیا گیا ہے اور جو کچھ ہم نے چھوڑا ہے وہ ان سے زیادہ کمزور ہیں۔ لیکن حدیث ضریر کامعاملہ ذرا مختلف ہے کیونکہ وہ تو شیخین کی شرط پر بالکل صحیح ہے اور اس پر عمل کاتعین بھی ہو چکا ہے کیونکہ ایک تو اس کا ثبوت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو چکا ہے دوسرا مرور زمانہ سے اس پر لوگوں کا عمل چلا آرہا ہے البتہ اس موضوع پر دوسری دعاؤں کا معاملہ قدرے

مختلف ہے کیونکہ ان میں ضعف کا احتمال ہے۔[1]

حافظ سخاوی "القول البدیع" کے ص ۱۸۱ پر فرماتے ہیں (کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمام حالتوں میں درود و سلام پڑھنا' اور جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے شفاعت چاہی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کا وسیلہ بنایا تو وہ شخص اپنی مراد کو پاگیا اور اپنے مقصود میں کامیاب ہو گیا' اسلاف نے اس پر خاص کر کتابیں لکھیں اس میں سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کردہ یہ حدیث مذکور ہے یہ ان معجزات میں سے ہے۔ جن پر زمانے' سالہا سال' مہینے اور ایام گذر گئے لیکن۔ وہ ابھی تک باقی ہیں۔ اگر یوں کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کر کے لوگوں کی دعا کی قبولیت ان کے توسل کی تعداد کے اعتبار سے بہت سارے معجزات کو متضمن ہے تو بہت اچھا ہو گا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے شمار میں کوئی حصر کرنے والا طمع نہ کرے گا کیونکہ

---

[1] ہاں جو شخص ان اذکار پر عمل کرنا چاہئے وہ ایسا کر سکتا ہے لیکن اس کا اعتقاد یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ان کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی صحت ثابت نہیں ہے۔ لیکن منقول ہونا دعا کی شرائط میں سے نہیں ہے۔ ان کے لئے جائز ہے کہ بغیر کسی قید کے جسے چاہے دعا کرے اگرچہ منقول ہونا زیادہ فضیلت کی بات ہے اور جو شخص منقول کی شرط لگاتا ہے۔ تو اس کے لئے حدیث ضریر' عمل کرنے کے لئے بہترین ہے۔

اگر وہ پہنچے گا تو اس کی انتہا کو نہیں پہنچے گا۔ الخ۔

اور امام قسطلانی مواہب لدنیہ کے دوسرے حصے کے آخر میں زیارت نبویہ شریفہ پر گفتگو کرتے ہوئے اپنا تجربہ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرض کے حادثہ اور اپنی خادمہ کی مصیبت کے حادثہ میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وسیلہ بنا کر دعا کی' تو بغیر کسی تاخیر کے فوری طور پر اللہ رب العزت نے دعا قبول فرمائی' اصل میں مقصود یہ ہے کہ تمام حالتوں میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وسیلہ بنانا جائز ہے صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر ابھی تک لوگوں کا عمل اس پر جاری و ساری ہے۔ ابن تیمیہ کے ماسوا کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اور عصور متاخرہ میں سینگ والے نجدیوں نے[1]

اس کی پیروی کی انہوں نے جمہور امت مسلمہ سے اختلاف کرتے ہوئے ایک نیا فرقہ ایجاد کیا' ان کا ظہور جملہ ان عوامل میں سے ہے جن سے مسلمان کمزور ہوئے' ان کی شان و شوکت جاتی رہی اور وہ فرقوں میں بٹ گئے' منہیات سے بچنا اور اوامر پر قدرت' اللہ بزرگ

---

[1] یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اور شام کے لئے دعا فرمائی اور ایک نجد کے رہنے والے نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نجد کے لئے بھی دعا فرمائیں آپ نے فرمایا وہاں فتنے اٹھیں گے وبہا یطلع قرن الشیطان (وہاں شیطان کا سینگ ظاہر ہو گا علامہ شامی نے فتاوی شامی کی کتاب البغاہ میں لکھا ہے کہ یہ شیطان کا سینگ عبدالوہاب نجدی ہے۔ جس نے عالم اسلام میں فتنہ برپا کر ڈالا۔(از مترجم)

و برتر کے بغیر ممکن نہیں پہلے اور بعد اللہ ہی کا حکم ہے۔ جسے چاہتا ہے کرتا ہے اور خواہش کے مطابق حکم کرتا ہے۔ یہ اختتام ہے ہم اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ خالص اپنی رضا کے لئے اسے بنا دے اور ہمیں' ہمارے خاندان' اور دوست واقارب کو اپنے ہاں قبول فرمالے' اور ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرمائے ہمیں حفظ و امان میں رکھے' اور وقت کی آفات اور ہولناکیوں سے ہمیں محفوظ رکھے' وہی سننے والا' قریب اور دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے' اور اللہ رب العزت ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود و سلام اور آپ کی اولاد اور صحابہ کرام پر رحمتیں بھیجے' تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جو تمام جہاں کو پالنے والا ہے۔ (آمین)

اختتام ترجمہ ۹۸-۰۴-۲۲ بمطابق ۲ شعبان بوقت ۳۰ ۔۱ بجے رات بمقام برمنگھم یو کے۔

مصباح الزجاجة

في فوائد

صلاة الحاجة

تأليف

عبد الله بن محمد بن الصديق الغماري

عالم الكتب

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم لك الحمد حمداً كثيراً خالداً مع خلودك. ولك الحمد حمداً لا منتهى له دون علمك. ولك الحمد حمداً لا منتهى له دون مشيئتك. ولك الحمد حمداً لا أجر لقائله إلا رضاك. ونسألك اللهم أن تصلي أفضل الصلوات، على أفضل المخلوقات. وأكمل الكائنات. سيدنا محمد عبدك ورسولك. وصفيك وخليلك. الذي أعليت منزلته. وأعظمت كرامته. وقبلت شفاعته. وأنلته من المنح والعطايا ما لم ينله أحد من العالمين. وارض اللهم عن آله الطيبين الطاهرين. وخيار صحابته من الأنصار والمهاجرين.

أما بعد. فهذا جزء تكلمت فيه على حديث توسل الضرير، وبينت صحته بالقواعد الحديثية والأصولية. ودفعت ما أورد على الاستدلال به من إيرادات

واعتراضات، وأوضحت دلالته على جواز التوسل من عدة وجوه، الى غير ذلك من المباحث والفوائد التي لها به تعلق وارتباط. وسميته : «غاية التحرير في بيان صحة حديث توسل الضرير» وقد استوفيت طرق الحديث في هذا الجزء - والحمد لله - استيفاء بالغاً لم نجده قبل مجموعاً في كتاب، وكان مما دعاني الى تحرير هذا البحث ما رأيته من تخبط الوهابيين في الحديث المذكور، وتضعيفهم له بغير علم ولا تثبت، وفي ذلك جرأة على حديث رسول الله ﷺ ، يخشى على صاحبها سوء المصير، فقد ورد عن النبي ﷺ ، قال «من بلغه عني حديث فكذب به فقد كذب ثلاثة : الله ورسوله والذي حدث به» رواه الطبراني في الأوسط من حديث جابر بن عبد الله رضي الله عنهما، وفي سنده محفوظ بن ميسور ذكره ابن أبي حاتم ولم يذكر فيه جرحاً ولا تعديلا، ونص العلماء على فسق من رد حديثاً صحيحاً من غير عذر مقبول، ولكن الوهابيين لهم مسلك عجيب!! تراهم يستدلون لما يوافق مرادهم بالأحاديث ويغمضون عما في بعضها من ضعف،

ويدعمون ما استطاعوا أن يدعموه منها. فإذا صدموا بحديث يرد رأيهم. انحرفوا عنه. وحاولوا تضعيفه جهد طاقتهم، ولم يقبلوا دعمه ولا تقويته، وأصروا في عناد على التخلص منه، كفعلهم في حديث الضرير، لم يجدوا في سنده مغمزاً إلا قول الترمذي - في أبي جعفر - : وهو غير الخطمي ، فتشبثوا به، وجمدوا عليه، ليصلوا الى تضعيفه ورده، ولم يبالوا بقول ابن أبي خيثمة والطبراني والحاكم والبيهقي : إن أبا جعفر هو الخطمي ، ولا بتصويب ابن تيمية قول هؤلاء الحفاظ ورده لكلام الترمذي ، وأعجب من هذا أنهم لم يأبهوا لتصحيح الترمذي نفسه للحديث!! ولا لتصحيح الحفاظ له، خصوصاً المنذري وابن تيمية والذهبي والهيثمي والسخاوي ، وما هذا إلا عناد وتكبر عن قبول الحق ، يصدق عليه قول النبي ﷺ - حين سئل عن الكبر الذي يمنع صاحبه من دخول الجنة - «الكبر بطر الحق وغمط الناس». نسأل الله لنا ولهم الهداية والتوفيق.

أبو الفضل

عبد الله محمد الصديق

الغماري عفى عنه

بسم الله الرحمن الرحيم

باب في تخريج الحديث وذكر طرقه

قال الترمذي في أبواب الـدعاء من جامعه : حدثنا محمود بن غيلان ثنا عثمان بن عمر ثنا شعبة عن أبي جعفر عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف أن رجلاً ضريـر البصر أتى النبيﷺ فقال : ادع الله أن يعافيني قال «إن شئت دعوت ، وإن شئت صبرت فهو خير لك» قال : فادعه، قال : فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه، ويدعو بهذا الـدعاء «اللهم أني أسألك وأتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه بك الى ربي في حاجتي هذه لتقضي لي، اللهم فشفعه في» قال الترمذي : حديث حسن صحيح غريب من هذا الـوجه من حديـث أبي جعفر وهو غير الخطمي، قلـت : لعل زيـادة لفظ : غير، تحريف من بعض النساخ، وإلا فأبو جعفر هو الخطمي كما صرح به أبن أبي خيثمة والطبراني وغيرهما وسيأتي كلامهم بحول الله .

وقال ابن تيمية ما نصه : هكذا وقع في الترمذي، وسائر العلماء قالوا : هو أبو جعفر الخطمي، وهو الصواب، وأيضا فالترمذي ومن معه لم يستوعبوا لفظه، كما استوعبه سائر العلماء، بل رووه الى قوله «اللهم فشفعه في» انتهى بلفظه.

ورواه النسائي في «عمل اليوم والليلة» عن محمود بن غيلان عن عثمان بن عمر بالسند المذكور، ورواه أيضا عن محمد بن معمر عن حبان عن حماد ـ هو ابن سليمة ـ عن أبي جعفر عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف.

ورواه أيضاً عن زكريا بن يحيى عن ابن مثنى عن معاذ بن هشام عن أبيه عن أبي جعفر عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف نحوه.

وقال ابن ماجة : في باب ما جاء في صلاة الحاجة من «سننه» حدثنا أحمد بن منصور بن سيار ثنا عثمان بن عمر ثنا شعبة عن أبي جعفر المدني عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف أن رجلا ضرير البصر أتى النبيﷺ فقال : ادع الله أن يعافيني فقال «إن شئت

أخرت لك وهو خير، وإن شئت دعوت» قال : فادعه. فأمره : أن يتوضأ فيحسن وضوءه ويصلي ركعتين ويدعو بهذا الدعاء «اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة، يا محمد إني قد توجهت بك الى ربي في حاجتي هذه لتقضي لي! اللهم فشفعه في» قال أبو اسحاق هذا حديث صحيح.

وقال ابن السني في كتاب «عمل اليوم والليلة» تحت ترجمة باب ما يقول لمن ذهب بصره : أخبرني أبو عروبة حدثنا العباس بن فرج الرياشي والحسين بن يحيى الثوري قالا ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد قال ثنا أبي روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخطمي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ، وجاء إليه رجل ضرير فشكا إليه ذهاب بصره، فقال رسول الله ﷺ : «ألا تصبر؟» قال: يا رسول الله ليس لي قائد، وقد شق علي، فقال النبيﷺ : «ائت الميضأة، فتوضأ وصل ركعتين، ثم قل: اللهم إنّي أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمدﷺ، يا نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بك إلى ربي عز وجل، فيجلى عن بصري، اللهم شفعه في، وشفعني في نفسي»

قال عثمان: وما تفرقنا ولا طال بنا الحديث حتى دخل الرجل كأنه لم يكن به ضر قط، وقال الإمام أحمد في «المسند»: حدثنا روح بن عبادة ثنا شعبة عن أبي جعفر المديني سمعت عمارة بن خزيمة بن ثابت يحدث عن عثمان بن حنيف أن رجلاً ضريراً أتى النبيﷺ، فقال: يا نبي الله ادع الله أن يعافيني قال «إن شئت أخرت ذلك فهو خير لآخرتك، وإن شئت دعوت لك» قال: لا بل ادع الله لي، فأمره أن يتوضأ ويصلي ركعتين، وأن يدعو بهذا الدعاء، ثم ذكر الدعاء نحو رواية الترمذي، قال: ففعل الرجل فبرىء.

وقال الحاكم في «المستدرك على الصحيحين»: حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا العباس بن محمد الدوري ثنا عثمان بن عمر ثنا شعبة عن أبي جعفر المديني قال سمعت عمارة بن خزيمة يحدث عن عثمان بن حنيف أن رجلاً ضريراً أتى النبيﷺ فقال: ادع الله أن يعافيني، فقال: «ان شئت أخرت ذلك وهو خير وان شئت دعوت» قال: فادعه، قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه ويصلي ركعتين ويدعو بهذا الدعاء فيقول «اللهم إني

أسألك وأتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد إني توجهت بك الى ربي في حالتي هذه فتقضي لي، اللهم شفعه فيّ وشفعني في نفسي» ثم قال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه، وسلمه الحافظ الذهبي.

ورواه أيضاً من طريق عون بن عمارة البصري، ومن طريق شبيب بن سعيد الحبطي كلاهما عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخطمي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف رضي الله عنه قال: سمعت رسول اللهﷺ وجاءه رجل ضرير فشكا اليه ذهاب بصره، فقال: يا رسول الله ليس لي قائد وقد شق علي، فقال رسول اللهﷺ: «ائت الميضأة فتوضأ ثم صل ركعتين وقل» فذكر الدعاء المتقدم، قال عثمان بن حنيف: فوالله ما تفرقنا ولا طال بنا الحديث، حتى دخل الرجل وكأنه لم يكن به ضرقط، ثم قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط البخاري، وسلمه الذهبي.

وقال ابن [1] أبي خيثمة في تاريخه: حدثنا مسلم

(١) هو الحافظ الحجة الثقة أحمد بن أبي خيثمة زهير بن حـ . النسائي أبو بكر الحافظ ابن الحافظ، وأبو الحافظ، قال الدارقطني: ثقه مأمون، ...

ابراهيم ثنا حماد بن سلمة أنا أبو جعفر الخطمي عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف أن رجلاً أعمى أتى النبي ﷺ فقال : اني أصبت في بصري فادع الله لي، قال «أذهب فتوضأ وصل ركعتين ثم قل اللهم اني أسألك وأتوجه اليك بنبي محمد نبي الرحمة يا محمد إني أستشفع بك على ربي في رد بصري اللهم فشفعني في نفسي وشفع نبي في رد بصري وان كانت حاجة فافعل مثل ذلك» فرد الله عليه بصره، قال ابن أبي خيثمة : أبو جعفر هذا الذي حدث عنه حماد بن سلمة اسمه عمير بن يزيد، وهو أبو جعفر الذي يروي عنه شعبة، ثم روى الحديث من طريق عثمان بن عمر عن شعبة عن أبي جعفر.

وقال البيهقي في كتاب «دلائل النبوة» : باب ما جاء في

= الخطيب : ثقة عالم متقن حافظ بصير بأيام الناس راوية للأدب، أخذ علم الحديث عن أحمد بن حنبل وابن معين، وعلم النسب عن مصعب، وأيام الناس عن علي بن محمد المدائني، والأدب عن محمد بن سلام الجمحي، وله كتاب التاريخ الذي أحسن تصنيفه وأكثر فائدته، وقال الخطيب أيضاً : لا أعرف أغزر فوائد من كتاب التاريخ الذي صنفه ابن أبي خيثمة، وكان لا يرويه إلا على الوجه، فسمع الشيوخ الأكابر كأبي القاسم البغوي ونحوه اه. توفي سنة ٢٧٩ وعمره ٩٤ سنة رحمه الله ورضي عنه.

تعليمه الضرير ما كان فيه شفاؤه، حين لم يصبر، وما ظهر في ذلك من آثار النبوة».

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ـ هو الحاكم ـ قال : ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا العباس بن محمد الدوري. وأخبرنا أبو بكر أحمد بن الحسن القاضي ثنا أبو علي حامد بن محمد الهروي ثنا محمد بن يونس، قالا. ثنا عثمان بن عمر ثنا شعبة عن أبي جعفر الخطمي سمعت عمارة بن خزيمة بن ثابت يحدث عن عثمان بن حنيف أن رجلا ضريراً أتى النبي ﷺ فقال ادع الله أن يعافيني، قال «فإن شئت أخرت، ذلك وهو خير لك وإن شئت دعوت الله» قال فادعه، فأمره أن يتوضأ، فيحسن الوضوء ويصلي ركعتين، ويدعو بهذا الدعاء «اللهم اني أسألك وأتوجه اليك بنبيك محمد ﷺ نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بك الى ربي في حاجتي هذه فيقضيها لي اللهم شفعه فيّ وشفعني في نفسي» هذا لفظ حديث العباس، زاد محمد بن يونس في روايته : قال فقام وقد أبصر، ورويناه في كتاب الدعوات باسناد صحيح عن روح بن عبادة عن شعبة : قال : ففعل الرجل فبرأ: وكذلك رواه حماد بن سلمة عن أبي

جعفر الخطمي وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ أخبرنا أبو محمد عبد العزيز بن عبد الرحمن بن سهل الدياس بمكة ثنا محمد بن يزيد الصائغ ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد الحبطي حدثني أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المديني وهو الخطمي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف قال : سمعت رسول الله ﷺ - وجاءه رجل ضرير فشكا اليه ذهاب بصره، فقال : يا رسول الله ليس لي قائد، وقد شق علي - فقال رسول الله ﷺ : «ائت الميضأة فتوضأ ثم صل ركعتين، ثم قل. اللهم اني أتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة يا محمد إني أتوجه بك الى ربي فيجلي لي عن بصري، اللهم شفعه فيّ، وشفعني في نفسي» قال عثمان : فوالله ما تفرقنا ولا طال بنا الحديث حتى دخل الرجل وكأنه لم يكن فيه ضير قط، أخبرنا أبو سعيد عبد الملك بن أبي عثمان الزاهد رحمه الله أخبرنا الامام أبو بكر محمد بن علي بن اسماعيل الشاشي القفال أخبرنا أبو عروبة ثنا العباس بن الفرج ثنا اسماعيل بن شبيب ثنا أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المديني عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف : أن رجلا كان يختلف

الى عثمان بن عفان في حاجة، فكان عثمان لا يلتفت اليه ولا ينظر في حاجته، فلقي عثمان بن حنيف فشكا اليه ذلك، فقال له عثمان بن حنيف: ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل ركعتين ثم قل : اللهم اني أسألك وأتوجه اليك بنبيك محمد ﷺ نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه بك الى ربي فيقضي حاجتي، وأذكر حاجتك، ثم رح حتى أروح، فانطلق الرجل وصنع ذلك ثم أتى باب عثمان بن عفان فجاء البواب فأخذ بيده فأدخله على عثمان فأجلسه معه على الطنفسة، فقال : انظر ما كانت لك من حاجة، ثم أن الرجل خرج من عنده فلقي عثمان بن حنيف فقال له جزاك الله خيراً : ما كان ينظر في حاجتي ولا يلتفت الي حتى كلمته، فقال له عثمان بن حنيف ما كلمته، ولكني سمعت رسول الله ﷺ - وجاءه رجل ضرير فشكا اليه ذهاب بصره، فقال له النبي ﷺ : «أو تصبر؟» فقال : يا رسول الله ليس لي قائد، وقد شق علي، فقال : «ائت الميضأة فتوضأ وصل ركعتين، ثم قل اللهم إني أسألك وأتوجه اليك بنبيك نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه بك الى ربي فيجلي لي عن بصري، اللهم شفعه فيّ،

وشفعني في نفسي» قال عثمان : فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث، حتى دخل الرجل كأن لم يكن به ضرر، وقد رواه أحمد بن شبيب بن سعيد عن أبيه بطوله أيضاً : أخبرنا أبو علي الحسن بن أحمد بن إبراهيم بن شاذان أخبرنا عبد الله بن جعفر بن درستويه ثنا يعقوب بن سفيان ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد فذكره بطوله، وذلك فيما ذكر شيخنا أبو عبد الله الحافظ أن علي بن عيسى بن ابراهيم حدثهم ثنا ابراهيم بن محمد بن يزيد السكوني ثنا يعقوب بن سفيان الفارسي ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد ثنا أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المديني عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف أن رجلاً كان يختلف الى عثمان بن عفان رضي الله عنه في حاجة، فذكر الحديث، ورواه أيضاً هشام الدستوائي عن أبي جعفر عن أبي أمامة بن سهل عن عمه، وهو عثمان بن حنيف. هذا كلام البيهقي بنصه.

وقال الطبراني - في ترجمة عثمان بن حنيف من معجمه الكبير - : حدثنا طاهر بن عيسى بن قريش المصري المقري ثنا أصبغ بن الفرج ثنا ابن وهب - يعني عبد الله -

عن أبي سعيد المكي - يعني شبيب بن سعيد - عن روح بن القاسم عن أبي جعفر الخطمي المدني عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف أن رجلاً كان يختلف الى عثمان بن عفان رضي الله عنه في حاجة له، فكان عثمان لا يلتفت اليه، ولا ينظر في حاجته، فلقي ابن حنيف فشكا اليه ذلك فقال له عثمان بن حنيف : ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل : اللهم اني أسألك وأتوجه اليك بنبينا محمد نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه بك الى ربي فيقضي حاجتي وتذكر حاجتك، ورح حتى أروح معك، فانطلق الرجل فصنع ما قال له، ثم أتى باب عثمان بن عفان رضي الله عنه، فجاء البواب حتى أخذ بيده، فأدخله على عثمان بن عفان فأجلسه معه على الطنفسة، فقال : ما حاجتك؟ فذكر حاجته، وقضاها له، ثم قال له : ما ذكرت حاجتك حتى كان الساعة، وقال : ما كانت لك من حاجة فاذكرها، ثم إن الرجل خرج من عنده فلقي عثمان بن حنيف فقال له : جزاك الله خيراً، ما كان ينظر في حاجتي ولا يلتفت إليّ حتى كلمته فيّ، فقال

عثمان بن حنيف : والله ما كلمته، ولكني شهدت رسول الله ﷺ ، وأتاه ضرير فشكا اليه ذهاب بصره، فقال له النبي ﷺ : «أو تصبر؟» فقال : يا رسول الله إنه ليس لي قائد، وقد شق علي، فقال له النبي ﷺ : «ائت الميضأة فتوضأ ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات» قال ابن حنيف : فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث، حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط.

ورواه في «المعجم الصغير» فيمن اسمه : طاهر، من شيوخه. من هذا الطريق بهذا اللفظ، وقال ما نصه : ما يروه عن روح بن القاسم الا شبيب بن سعيد أبو سعيد المكي وهو ثقة، وهو الذي يروي عنه أحمد بن شبيب عن أبيه عن يونس بن يزيد الأيلي وقد روى هذا الحديث شعبة عن أبي جعفر الخطمي - واسمه عمير بن يزيد - وهو ثقة تفرد به عثمان بن عمر بن فارس عن شعبة، والحديث صحيح. هذا : كلام الطبراني بحروفه، قال ابن تيمية ما نصه : والطبراني ذكر تفرده بمبلغ علمه، ولم يبلغه رواية روح بن عبادة عن شعبة، وذلك إسناد صحيح يبين أنه لم ينفرد به عثمان بن عمر. أهـ بلفظه.

وقال الحافظ المنذري في «الترغيب والترهيب» ما نصه. الترغيب في صلاة الحاجة ودعائها. عن عثمان بن حنيف رضي الله عنه أن أعمى أتى الى رسول الله ﷺ فقال : يا رسول الله ادع الله أن يكشف لي عن بصري قال «أو أدعك؟» قال يا رسول الله إنه قد شق علي ذهاب بصري قال «فانطلق وتوضأ ثم صل ركعتين ثم قل : اللهم إني أسألك وأتوجه اليك بنبيي محمد نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه الى ربي بك أن يكشف لي عن بصري، اللهم شفعه فيَّ، وشفعني في نفسي» فرجع وقد كشف الله عن بصره، رواه الترمذي وقال : حديث حسن صحيح غريب، والنسائي واللفظ له، وابن ماجة وابن خزيمة في صحيحه، والحاكم وقال : صحيح على شرط البخاري ومسلم، وليس عند الترمذي : «ثم صل ركعتين». ورواه الطبراني وذكر في أوله قصة، وهي أن رجلاً كان يختلف الى عثمان بن عفان رضي الله عنه في حاجة له، وذكر القصة بتمامها ثم قال : قال الطبراني - بعد ذكر طرقه - : والحديث صحيح. هذا كلام الحافظ المنذري بنصه، وكذا نقل تصحيح الطبراني ووافقه، الحافظ الهيثمي في باب

صلاة الحاجة من «مجمع الزوائد» كما وافق على تصحيح الحديث أيضاً الحافظ أبو عبد الله المقدسي صاحب «المختارة» والحافظ عبد الغني المقدسي في كتاب النصيحة» والإمام النووي في باب أذكار صلاة الحاجة من كتاب «الأذكار» وابن تيمية في غير موضع من كتبه، والحافظ السخاوي في «القول البديع» والحافظ السيوطي في «الخصائص الكبرى» وغيرهم.

فيتلخص من جميع ما تقدم أمران: «أحدهما» أن حديث توسل الضرير مخرج في كتب السنة المشهورة المعتبرة، ناهيك بمسند الإمام أحمد وسنن الترمذي والنسائي وابن ماجة، وصحيحي ابن خزيمة والحاكم، «ثانيهما» أنه حديث صحيح متفق على صحته بين حفاظ الحديث ونقاده، لم يخالف في ذلك منهم أحد إلا أن ابن تيمية ـ مع اعترافه بصحته ـ حاول أن يعل بعض ألفاظه بعلل واهية سنعرض لإبطالها فيما بعد إن شاء الله تعالى.

باب في ذكر ما أورد على الحديث من الاعتراضات، والجواب عنها

لما كان هذا الحديث شجى في حلوق الوهابيين، وقذى في عيونهم، حاولوا الانفصال عنه، والتخلص منه، إلا أنهم لم يوفقوا في محاولتهم، فأتوا بكلام سمج بارد، يدل على جهلهم بالقواعد، وتعصبهم لرأيهم الفاسد، وخبطوا خبط عشواء، وتاهوا في ضلالة عمياء، والحديث ـ كما هو ـ ثابت البنيان، شامخ الأركان، لم يمسوا من جوانبه إلا ما زاده وضوحاً وثبوتاً، فما أجدرهم بقول القائل:

كناطح صخرة يوماً ليوهنها
فلم يضرها وأوهى قرنه الوعل

ونحن نورد من اعتراضاتهم ما يكون أشبه بالقواعد، وأقرب الى العقل والمنطق، وهي تنحصر في وجوه:

«الأول» تمسكوا بقول الترمذي في أبي جعفر: وهو غير الخطمي، قالوا: فيكون أبو جعفر مجهولا، وحديث المجهول ضعيف، وهذا وجه باطل مردود، لأن الطبراني

وابن أبي خيثمة والحاكم والبيهقي صرحوا جميعاً ـ كما تقدم ـ بأن أبا جعفر هو الخطمي المدني، وتقدم أيضا أن ابن تيمية قال : سائر العلماء قالوا هو أبو جعفر الخطمي وهو الصواب . أهـ وأبو جعفر الخطمي ثقة معروف، تقدم اسمه ونسبه وتوثيقه في بعض ما سردناه من طرق الحديث.

«الثاني». قالوا : اشتمل الحديث على معجزة هي رد بصر الأعمى، وذلك مما تتوفر الدواعي على نقله، فيبعد أن ينفرد بروايته عثمان بن حنيف دون سائر الصحابة، ثم يروي بطريق الآحاد مع اشتماله على ذلك الحادث العظيم، فهذا في دعواهم يدل على عدم صحة الحديث، إذ لو كان صحيحاً لتبادر نقلة الأخبار ورواة الآثار الى نقله وروايته، وهذا أيضاً وجه باطل مردود، بل هو أشد بطلاناً من سابقه، ذلك أنه ليس من شرط كل معجزة أن تنقل بطريق التواتر أو الاستفاضة والشهرة، ولم يشترط ذلك أحد من علماء الحديث والأصول، بل فيها المتواتر وفيها المشهور، وفيها الآحاد، كما لا يخفى على من تتبع كتب السنة المطهرة، فهذا حديث تسبيح الطعام، وإخبار

الذراع بأن فيها سماً مرويين بطريق الآحاد مع أنهما أعظم من رد بصر الأعمى، لأن نطق الجماد أمر لم يعهد في العادة أصلا، بخلاف رد بصر الأعمى فإنه مع كونه غريباً يقربه أن البصر من شأن الإنسان ووصف من صفاته، وقد عهد رد بصر الأعمى بعد ذهابه لعارض من العوارض باستعمال بعض الأدوية كطريقة القدح المعروفة عند أطباء العرب من قديم، ولا يزال الى الآن عندنا بالمغرب فرقة متخصصة في هذا، تداوي من عمي لعارض فيرجع الى حالته الأصلية، وقد شاهدنا ـ كما شاهد غيرنا أناساً أصيبوا بفقد بصرهم فقداً نهائياً ثم عولجوا بطريقة القدح أو غيرها فعاد إبصارهم كما كان، وهذا الضرير الذي لجأ الى النبي ﷺ لم يولد أكمه، ولكن طرأ عليه ذهاب البصر لعارض بدليل قوله. شق علي ذهاب بصري، فليس في رد بصره ـ والحالة هذه من الغرابة ما يوازي تسبيح الطعام المطبوخ، وإخبار الذراع المشوية وتسليم الحجر وغير ذلك مما لم يتواتر من أنواع المعجزات التي صححها العلماء، وقبلوها واحتجوا بها، كما صححوا حديث الضرير، وقبلوه، واحتجوا به.

نعم: عند الأصوليـين قاعدة لم يحسن فهمها الوهابيون، فأخطأوا في تطبيقها على هذا الحديث، وتلك القاعدة : أن الخبر المنقول آحاداً فيما تتوفر الـدواعي على نقله تواتراً يقطع بكذبه، ففي جمع الجوامع للتاج السبكي، وشرحه للجلال المحلى في الكلام على ما يقطع بكذبه من الأخبار ما نصه : والمنقول آحاداً فيما تتوفر الـدواعي على نقلـه تواتراً كسقوط الخطيـب عن المنبر وقت الخطبة، من المقطوع بكـذبه لمخالفته للعادة خلافاً للـرافضة. أي في قولهم لا يقطع بكذبه، لتجويز العقل صدقه، وقد قالـوا بصدق ما رووه منه في إمامة علي رضي الله عنه، نحو «أنت الخليفة من بعدي» مشبهين له بما لم يتواتر من المعجزات كحنين الجذع، وتسليـم الحجر، وتسبيـح الحصى، (قلنا) : هذه كانت متواترة، واستغنى عن تواترها الى الآن بتواتر القرآن، بخلاف ما يذكـر في إمامة علي فانه لا يعرف، ولو كان ما خفي على أهل السقيفة. أهـ (قلت) إدعاء أن هذه المعجزات كانت متواترة، لا يسلـم. فالصواب في الجواب أن يقال : استغنى عن تواتر ما نقل آحادا من المعجزات بتواتر القرآن، وهذا جواب مطرد في

جميـع الصور، وأجاب الأسنوي بجواب آخر وهو: أن هذه المعجزات لم تتواتر، لقلة المشاهدين لها. لكن قال : وللشيعة أن يجيبوا بهذا الجواب، فيقولـوا : إنما لم يتواتر النص الدال على إمامة علي رضي الله عنه لقلـة سامعيـه أهـ . (قلت) قد يمنع جوابهم بأن الغرض من النص على إمامة معين، منع الخلاف وقطع النزاع، وذلك يقتضي أن يقصد الشارع إخبار جماعة الصحابة بأن الإمام هو فلان، لينتهوا عند قولـه، لا إخبار فرد أو اثنين، وهذا بخلاف المعجزات فإن الغرض منها ـ وهو الدلالـة على صدق الـرسول ـ حصل بالقرآن، وبما تواتر منها كالإسراء والمعراج ونحوهما. وقال الشهاب القرافي ـ في شرح تنقيح الفصول ـ : والمعجزات جمعت بين الغرابة لكـونها من خوارق العادات، والشرف لأنها أصل النبوات، فإذا لم يتواتر شيء من ذلك، ولم ينقله إلا واحد، دل على كذب الخبر إن كان قد حضره جمع عظيم، ولم يقم غيره مقامه في حصول المقصود منه، فالقيـد الأول احتراز من انشقاق القمر، فإنه كان ليلاً، ولـم يحضره عدد التواتر، والقيـد الثاني احتراز عن بقية معجزات الرسول ﷺ كنبع الماء من

بين أصابعه، وإشباع العدد العظيم من الطعام القليل، فإنه حضره الجمع العظيم، غير أن الأمة اكتفت بنقل القرآن، وإعجازه عن غيره من المعجزات، فنقلت آحاداً مع أن شأنها أن تكون متواترة. أهـ وحديث الضرير لم يحضره عدد عظيم، مع قيام غيره مقامه وهو القرآن العظيم، فان إعجازه ـ مع تواتره ـ كاف عن سائر المعجزات، فلا يجوز دخوله في القاعدة المذكورة، ولا يمكن أن تنطبق عليه أبداً بحال، وإنما تنطبق على مثل ما يحكى عن الولي الكبير الشيخ أحمد الرفاعي أنه لما حج وزار، وقف تجاه الروضة الشريفة وقال :

في حالة البعد روحي كنت أرسلها
تقبل الأرض عني وهي نائبتي
وهذه نوبة الأشباح قد حضرت
فامدد يمينك كي تحظى بها شفتي

فخرجت اليد الشريفة من القبر الشريف، فقبلها والناس ينظرون. وقيل إن هذه الحادثة وقعت للشيخ علي أبي شباك الرفاعي دفين القلعة بالقاهرة، وسواء أوقعت لهذا، أو لذاك فهي مقطوع بكذبها، لأن هذا الحادث

العظيم تتوفر الدواعي على نقله تواتراً، وقد ذكر ناقل هذه القصة أنه شاهدها جمع كبير حزروا بخمسين ألفاً، وأن ممن شهدها العارف الكبير الشيخ عبد القادر الجيلي، وهنأ الشيخ الرفاعي بهذه المنقبة العظيمة!! وهذا مما يؤيد القطع بكذب هذه القصة، إذ كيف يحضرها خمسون ألفاً أو أكثر أو أقل، ثم لا يرويها منهم إلا واحد أو اثنان. من أغمار الناس ومجاهيلهم؟! وكيف لا يشير اليها الشيخ عبد القادر الجيلي في شيء من دروسه، ولا مؤلفاته بطريق يعتمد عليه؟!! ولم يذكرها الشعراني في الطبقات، مع إنه يذكر ما هو أقل شأنا منها بكثير، وقد رأيت رسالة مطبوعة ـ في إثبات هذه الحكاية ـ منسوبة للحافظ السيوطي، ولا تصح نسبتها اليه[1]، وما أكثر ما نسب للحافظ السيوطي من الكتب التي لم يؤلفها ككتاب الكنز المدفون والفلك المشحون المنسوب اليه، وهو للشيخ يونس السيوطي المالكي تلميذ الحافظ الذهبي، وككتاب الرحمة في الطب والحكمة، نسب اليه في سائر النسخ المطبوعة، وهو

(١) نعم. نقل السيوطي هذه الحكاية في كتابه «تنوير الحلك» عن بعض المجاميع!!

للحكيم المقري مهدي الصبري، وغير ذلك كثير.

«الثالث» قالوا : ان النبي ﷺ دعا لذلك الضرير، فهو توسل بدعائه، وهو جائز لا نزاع فيه، وهذا أيضاً باطل، لأن عثمان بن حنيف لم يذكر دعاء للنبي ﷺ في هذا الموطن، بل صرح بقوله : فوالله ما تفرقنا ولا طال بنا الحديث حتى دخل الرجل كأنه لم يكن به ضر **قط**. فهذا صريح في نفي حصول دعاء من النبي ﷺ ، ولهذا ترجم البيهقي على الحديث بقوله - كما تقدم - : باب ما جاء في تعليمه الضرير ما كان فيه شفاؤه حين لم يصبر. اهـ. وأيضاً فقد دعا ﷺ لأناس كثيرين، طلبوا منه الدعاء في عدة مناسبات، ولم يرشدهم الى ما أرشد اليه هذا الضرير من الصلاة والدعاء، فدل على أنه أراد في حديث الضرير تشريعا جديداً يكون عاماً لسائر الناس، ولا يختص بالمدعو له **فقط**.

فإن قيل : فكيف تفعل بقوله ﷺ للضرير «إن شئت صبرت فهو خير لك، وإن شئت دعوت».

قلت : هذا شبهة من قال أن النبي ﷺ دعا له لكن لما أرشده ﷺ الى الصلاة، ولقنه الدعاء، علمنا أن في الكلام

مجازاً، وأن المعنى «وإن شئت دعوت» أي وإن شئت علمتك دعاء تدعو به، ولقنتك إياه، وهذا التأويل واجب ليتفق أول الحديث مع آخره، ثم بعد هذا كله لو سلمنا أن النبي ﷺ دعا للضرير، فذلك لا يمنع من تعميم الحديث في غيره، كما يأتي بيانه بحول الله تعالى.

«الرابع» قالوا : إن عمر رضي الله عنه استسقى عام الرمادة فقال : اللهم إنا كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا، وإنا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا، ادع يا عباس، فدعا العباس فسقاهم الله، فهذا دليل على أن الحديث خاص بحال الحياة وأن التوسل بالنبي ﷺ بعد وفاته لا يجوز، وقد أكثر ابن تيمية من الاستدلال باثر عمر هذا في مؤلفاته وكرره وأعاده، المرة بعد المرة، وهو لا يفيد بشيء لأن ما فعله عمر رضي الله عنه هو المطلوب في الاستسقاء، لأن السنة وردت بخروج الامام والناس الى المصلي بظاهر البلد، ويصلوا صلاة الاستسقاء ويخطب فيهم الامام ويدعو بنفسه، كما كان يفعل النبي ﷺ ، أو يأمر من يدعو كما فعل عمر مع العباس، ومعاوية مع يزيد بن الأسود.

فإن قيل : لِمَ لَمْ يتوسل عمر رضي الله عنه بالنبي ﷺ

في المصلى؟ وعدل عنه الى التوسل بالعباس رضي الله عنه.

فالجواب على ذلك من وجوه.

«أحدها» أن عمر لم يبلغه حديث توسل الضرير، ولو بلغه لتوسل به، وقد خفي كثير من السنة على عمر وغيره من كبار الصحابة، وعلمها صغارهم كابن عباس وأبي سعيد الخدري وأبي هريرة، وقد اعتذر عمر رضي الله عنه، في بعض السنن التي خفيت عليه بقوله: ألهانا الصفق بالاسواق، يعني أنه كان يشتغل بالتجارة، وكذلك أبو بكر رضي الله عنه خفيت عليه سنن، وجد علمها عند المغيرة بن شعبة وأمثاله.

«ثانيها» أن التوسل بالنبي ﷺ ليس بواجب، فيجوز تركه، والعدول الى غيره.

«ثالثها»: أن الله تعالى يقول ﴿**أمن يجيب المضطر إذا دعاه ويكشف السوء**﴾ الآية، ولا شك أن العباس كان إذ ذاك من جملة المضطرين، فكان التوسل به أولى وأنسب.

«رابعها»: أن عمر رضي الله عنه أراد بالتوسل بالعباس رضي الله عنه الاقتداء بالنبي ﷺ، في إكرام

العباس وإجلاله، وقد جاء هذا صريحاً عن عمر، فروى الزبير بن بكار في الأنساب من طريق داود عن عطاء عن زيد بن أسلم عن ابن عمر قال: استسقى عمر بن الخطاب عام الرمادة بالعباس بن عبد المطلب فخطب الناس عمر فقال: ان رسول الله ﷺ كان يرى للعباس ما يرى الولد للوالد، فاقتدوا أيها الناس برسول الله ﷺ، واتخذوه وسيلة الى الله.

قال: فما برحوا حتى سقاهم الله، ورواه البلاذري من طريق هشام بن سعد عن زيد بن أسلم عن أبيه به.

«خامسها»: أراد عمر رضي الله عنه، بفعله ذلك أن يبين جواز التوسل بغير النبي ﷺ من أهل الصلاح والخير ممن ترجى بركته، ولهذا قال الحافظ في فتح الباري - عقب قصة توسل عمر بالعباس رضي الله عنهما - ما نصه: يستفاد من قصة العباس استحباب الاستشفاع بأهل الصلاح والخير وأهل بيت النبوة. أهـ.

«سادسها» أن توسل عمر بالعباس رضي الله عنهما هو في الحقيقة توسل بالنبي ﷺ، لأنه إنما توسل بالعباس لكونه عم النبي ﷺ، ولمكانته منه، كما جاء صريحاً في

كلام عمر والعباس، أما كلام عمر ففي البخاري عن أنس أن عمر رضي الله عنه كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب رضي الله عنه، فقال: اللهم استسقي بالعباس بن عبد المطلب رضي الله عنه، فقال: اللهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا ﷺ فتسقينا، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا، قال: فيسقون، هذا لفظ البخاري، فقوله وإنا نتوسل اليك بعم نبينا، صريح فيما قلناه، وأصرح منه ما ذكره ابن عبد البر في الاستيعاب حيث قال ما نصه: وروى ابن عباس وأنس أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان إذا قحط أهل المدينة استسقى بالعباس، وكان سبب ذلك أن الارض أجدبت إجداباً شديداً على عهد عمر زمن الرمادة، وذلك سنة سبع عشرة، فقال كعب: يا أمير المؤمنين إن بني اسرائيل كان إذا أصابهم مثل هذا، استسقوا بعصبة الانبياء، فقال عمر: هذا عم رسول الله ﷺ، وصنو أبيه، وسيد بني هاشم، فمشى اليه عمر وشكا اليه ما فيه الناس من القحط، ثم صعد المنبر ومعه العباس فقال: اللهم إنا توجهنا اليك بعم نبينا وصنو أبيه. فاسقنا الغيث، ولا تجعلنا من القانطين، ثم قال عمر: قم يا أبا الفضل فادع، أهـ وقال أيضاً ما نصه:

روينا من وجوه عن عمر أنه خرج يستسقي وخرج معه العباس فقال: اللهم إنا نتقرب اليك بعم نبيك ﷺ، ونستشفع به. فاحفظ فيه لنبيك ﷺ، كما حفظت الغلامين لصلاح أبيهما، وذكر بقية الخبر - وفي آخره: فوالله ما برحوا حتى اعتلقوا الجدر، وقلصوا المآزر، وطفق الناس بالعباس يمسحون أركانه ويقولون. هنيئاً لك ساقي الحرمين. أهو أما كلام العباس نفسه فأخرج الزبير بن بكار في الأنساب بإسناده أن العباس لما استسقى به عمر قال: اللهم إنه لم ينزل بلاء الا بذنب، ولم بكشف الا بتوبة، وقد توجه القوم بي اليك لمكاني من نبيك وهذه أيدينا اليك بالذنوب، ونواصينا اليك بالتوبة، فاسقنا الغيث، فأرخت السماء مثل الجبال حتى أخصبت الارض وعاش الناس، ذكره الحافظ في فتح الباري، فهذه النصوص صريحة فيما قدمناه من أن عمر توسل بالعباس لمكانته من النبي ﷺ، وقرابته منه، فهو توسل به في الحقيقة، ولم يقصد عمر منع التوسل بالنبي ﷺ، يؤيد ذلك ويؤكده ما رواه البيهقي في دلائل النبوة قال: أنبأنا أبو نصر بن قتادة وأبو بكر الفارسي قالا أخبرنا أبو عمر ابن

مطر حدثنا ابراهيم بن علي الذهلي ثنا يحيى أنبأنا أبو معاوية عن الأعمش عن أبي صالح السمان عن مالك الدار - وكان خازن عمر - قال :أصاب الناس قحط في زمان عمر رضي الله عنه فجاء رجل الى قبر النبي ﷺ فقال : يا رسول الله استسق الله لأمتك فإنهم قد هلكوا، فأتاه رسول الله ﷺ في المنام، فقال : ائت عمر فأقرئه السلام، وأخبره أنهم مسقون، وقل له عليك الكيس الكيس، فأتى الرجل عمر فأخبره، فبكى عمر رضي الله عنه ثم قال : يا رب ما آلو إلا ما عجزت عنه، اسناده صحيح، ورأيت الحافظ في فتح الباري - ج ٢ ص ٣٣٨، طبعة الخشاب - عزاه الى ابن أبي شيبة من طريق أبي صالح السمان عن مالك الدار، باللفظ المذكور[١] وصحح سنده، والرجل المذكور هو بلال بن الحرث المزني الصحابي، كما رواه

(١) وذكر ابن تيمية هذا الأثر فزاد فيه زيادة لم ترد في طرقه، قال في اقتضاء الصراط المستقيم، أثناء كلام، ما نصه : وكذلك ما يروى أن رجلاً جاء الى قبر النبي ﷺ فشكا إليه الجدب عام الرمادة فرآه وهو يأمره أن يأتي عمر فيأمره أن يخرج يستسقي بالناس اه. وهذا من تحريفات ابن تيمية التي يتعمدها لغرض في نفسه، وغرضه هنا أن النبي ﷺ لا يشفع لأحد بعد انتقاله الى الرفيق الأعلى، بدليل أنه في هذه الحادثة رد الأمر الى عمر وأمره أن يستسقي بالناس، وإن رأياً ينبني عن تحريف النصوص والزيادة فيها لرأي باطل عاطل.

سيف في الفتوح، ونقله الحافظ في الفتح، فعمر رضي الله عنه لم ينه بلال بن الحارث عما فعل، ولا أنبه ولو كان التوسل بالنبي ﷺ ممنوعاً في اجتهاده لما سكت عن بلال، بل لصارحه بالنهي، وصكه به صك الجندل وشدة عمر رضي الله عنه فيما يراه حقاً، معروفة، لا تحتاج الى استدلال.

«الخامس» أعل ابن تيمية رواية ابن أبي خيثمة من طريق حماد بن سلمة بزيادة «فإن كانت حاجة فافعل مثل ذلك» - وهي زيادة صحيحة، اسنادها على شرط الصحيح - فأعل هذه الزيادة بعلل واهية لا يليق صدورها من عالم بالصناعة الحديثية، ونحن نناقشها مناقشة علمية، بمقتضى القواعد الصناعية، قال ابن تيمية : لم يرو هذه الزيادة شعبة وروح بن القاسم وهما أحفظ من حماد، قلنا : فكان ماذا؟ أليس حماد ثقة من رجال الصحيح؟ وزيادة الثقة مقبولة، قال : اختلاف الألفاظ يدل على أن مثل هذه الرواية قد تكون بالمعنى. قلنا : تعبيرك بقد دليل على أنك لست متحققاً من صحة دعواك ولن تستطيع تحقيقها، لأنك تعلم أن أحداً من العلماء لم

يجز أن يزاد في الحديث ما ليس منه، سواء في ذلك من أجاز الرواية بالمعنى ومن منعها، قال: قد تكون مدرجة من كلام عثمان، قلنا: هذه دعوى كسابقتها، والادراج لا بد من دليل يدل عليه وأين هو هذا الدليل؟ قال: ولو ثبت لم تكن فيها حجة، بل غايتها أن يكون عثمان بن حنيف ظن أن الدعاء يدعى ببعضه دون بعض، قلنا: بل هي حجة قاطعة لك ولأذنابك، وما تقولته على عثمان مبني على ظنك أن النبي ﷺ دعا لذلك الضرير، وظنك باطل، ولو كان حصل دعاء من النبي ﷺ لنقله عثمان الذي شاهد القصة ونقلها، ولو أراد عليه الصلاة والسلام أن يدعو للضرير لدعا له كما دعا لغيره[1]، من غير أن يحيله على الوضوء والصلاة والدعاء، ولو سلم أنه دعا فذلك لا يقتضي تخصيص الحديث ولا تقييده، كما هو ظاهر، قال: هذه الزيادة تناقض الحديث، قلنا: نعم، في نظرك

(١) من ذلك ما رواه البيهقي عن يزيد بن نوح بن ذكوان أن عبد الله بن رواحة قال: يا رسول الله إني أشتكي ضرسي. آذاني واشتد علي فوضع رسول الله ﷺ يده على الخد الذي فيه الوجع وقال «اللهم أذهب عنه سوء ما يجد وفحشه بدعوة نبيك المبارك المكين عندك» سبع مرات، فشفاه الله تعالى قبل أن يبرح.

ونظر أذنابك، أما عند العلماء المنصفين فهي منسجمة مع الحديث تمام الانسجام، وعلى دعواك أنها مدرجة، فهل كان عثمان من الغفلة والبلاهة بحيث يدوج في الحديث ما يناقضه وهو لا يشعر؟! إن هذا لشيء عجيب!! قال: أعرض أهل السنن عنها، قلنا: فكان ماذا؟ وهل كل صحيح في السنن؟؟ فما هذا التعليل البارد الذي اخترعته لرد ما يخالف هواك؟ وتبعك عليه أذنابك، هذا مع أنك اعترفت فيما سبق بأن الترمذي ومن معه لم يستوعبوا لفظ الحديث كما استوعبه سائر العلماء، والآن تجعل عدم استيعابهم حجة تعلل بها زيادة صح سندها، فما هذا التناقض الغريب؟!!

باب في دلالة الحديث على التوسل بالنبي عليه السلام

وإذ قد انتهينا من إبطال ما أورده الوهابيون على الحديث من الاعتراضات فلنبين دلالته على جواز التوسل بالنبي ﷺ في جميع الأحوال، في حال حضوره وغيبته، وفي حال حياته وبعد وفاته! وذلك من وجوه:

«الأول» : أن هذا الحديث وإن كان قد ورد بسبب سؤال الضرير، فغيره مثله في ذلك للقطع الجازم باستواء الناس في الأحكام الشرعية.

«الثاني» : أن الخطاب في الحديث وإن كان متوجهاً الى الضرير محمول على العموم من حيث الشرع، للاجماع المتيقن من جميع العلماء على أن خطابات الشارع محمولة على العموم، وإن كانت خارجة مخرج الخصوص، حتى يقوم الدليل على تخصيص شيء منها فيوقف عنده، وهو هنا مفقود.

«الثالث» : أن الضرير سأل النبي ﷺ أن يدعو له، فعلمه الدعاء المذكور. فعدوله ﷺ عن الدعاء المطلوب منه. الى ما ذكر. دليل على أنه أراد أن يشرع لأمته حكماً عاماً لا يختص بواحد دون آخر.

«الرابع» : أن النبي ﷺ أرشد الضرير الى الصلاة والدعاء، والصلاة مشروعة لجميع الناس بالاجماع، فكذلك هذا الدعاء يكون مشروعاً لجميع الناس أيضاً والتفريق بينهما تعطيل لبعض الحديث من غير دليل. وهو تلاعب لا يقبل.

«الخامس» : ولو فرضنا أن النبي ﷺ دعا للضرير - مع أن الحديث لا يدل على ذلك أصلاً - فدعاؤه يدل على جواز التوسل في عموم الحالات، لما تقرر في علم الأصول : أن فعل النبي ﷺ لشيء يدل على جوازه، لأنه لا يفعل المحرم ولا المكروه. ويندب الاقتداء به فيه. لقوله تعالى ﴿**لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة**﴾.

«السادس» : أن الحديث لو كان خاصاً بالضرير أو بحال الحضور دون الغيبة. أو في الحياة دون المات. لبينه كما بين لأبي بردة أن الجذعة من المعز تجزئه. ولا تجزىء

أحداً غيره في الأضحية. متفق عليه من حديث البراء بن عازب.

«السابع» أن الحديث لو كان خاصاً بالضرير، أو بحالتي الحياة أو الحضور. ولم يبين النبي ﷺ ذلك. لكان فيه تأخير البيان عن وقت الحاجة. وهو ممنوع إذ هو تكليف بما لا يعلم.

«الثامن»: أن رواية ابن أبي خيثمة «فإن كانت حاجة فافعل مثل ذلك» دالة على العموم كما لا يخفى.

«التاسع»: أن عثمان بن حنيف ـ وهو راوي الحديث وأعرف بالمراد منه ـ حمله على العموم. حيث أرشد الرجل الذي كانت له حاجة عند عثمان رضي الله عنه. وطال انتظاره لقضائها ـ الى الدعاء المذكور.

«العاشر»: أن الحديث أخرجه الترمذي في جامعه كما تقدم. وقد قال في كتاب العلل ما نصه: جميع ما في هذا الكتاب من الحديث هو معمول به، وبه أخذ بعض أهل العلم. ما خلا حديثين. حديث ابن عباس: أن النبي ﷺ جمع بين الظهر والعصر بالمدينة. والمغرب

شاء من غير خوف ولا سفر ولا مطر، وحديث النبي ﷺ أنه قال «إذا شرب الخمر فاجلدوه، وإن عاد في الرابعة فاقتلوه» وقد بينا علة الحديثين في الكتاب أهـ.

وهذا يدل على أن حديث توسل الضرير معمول به، لأنه لم يستثنه مع الحديثين اللذين استثناهما من جملة الأحاديث المعمول بها. على أن ذينك الحديثين عمل بهما أيضاً. فأخذ بالأول ابن سيرين، وأشهب من أصحاب مالك، وابن المنذر، والشاشي الكبير من أصحاب الشافعي، فأجازوا الجمع في الحضر للحاجة من غير الأعذار المعروفة، بشرط ألا يتخذ عادة، وهو دليل شاذلية المغرب في جمعهم أحياناً بين المغرب والعشاء جمع تأخير إذا طال بهم مجلس الذكر، كما بينه أخي العلامة السيد محمد الزمزمي في كتاب «الانتصار لطريق الصوفية الأخيار» ولشقيقنا الحافظ أبي الفيض كتاب «إزالة الخطر عمن جمع بين الصلاتين في الحضر من غير خوف ولا مطر» أتى فيه من البحوث والمناقشات العلمية بالمعجب المطرب بحيث يعتبر أنفس ما كتب في هذا الباب، وهو مطبوع بمصر، وأخذ بالحديث الثاني من الحديثين الحافظ أبو محمد ابن حزم،

وأسند في «المحلى» من طريــق قاسم بن أصبغ عن عبد الله بن عمرو بن العاص أنه قال : ائتوني برجل أقيم عليه حد في الخمر فان لم أقتله فأنا كاذب.

«الحادي عشر» : أن حفاظ الحديــث ونقاده فهموا من الحديث العموم حيث ترجموا عليه في كتبهم بتراجم تفيد ذلك، فذكــره الترمذي والحاكــم والبيهقي في كتاب الدعوات على أنه من الدعوات المأثورة المشروعة، وذكره ابن ماجة والمنذري والهيثمي في كتاب الصلاة المأمور بها فيه داخلة في باب التطوع والنفل، وذكره النووي في باب أذكار صلاة الحاجة على أنه من جملة الأذكار التي تقال عند عروض حاجة، وهذا اتفاق منهم على أن الحديث معمول به، وأنه عام لجميع الناس في جميع الحالات، ولـو كان خاصاً بالضرير أو بحالة دون حالة لم يكن لذكرهم له في كتب الأحكام وغيرها فائدة، ولنبهوا على أنه غير معمول به كما نبهوا على غيره من الأحاديث التي تكون مخصوصة أو منسوخة، وهذا ظاهر جداً.

«الثاني عشر» : أن الأصل الـواجب في كلام الشارع استواء جميع الناس فيه، لا فرق بين شخص وآخر، ولا

بين حالة وأخرى، إلا إذا قام الدليل على تخصيصه ببعض الأشخاص، أو الأزمان فيتبع، وإذا كان الأمر كذلك فادعاء تخصيص الحديث بالضرير، أو بحالتي الحضور أو الحيــاة خلاف الأصل، فيحتاج الى دليل من مدعيــه، والدليل لا يعدو أن يكون أحد أمور:

«الأول» أن الدعاء المذكور في الحديث يوهم الناس ـ لو أخذ فيــه بالعموم ـ أنه لا بد في الــدعاء من التوسل بواسطة، وهذا محظور لأنه يناقض الآيات الدالة على أن الله تعالى لم يجعل بينه وبين عباده في الــدعاء واسطة، **﴿ وإذا سألك عبادي عني فإني قريب أجيب دعوة الداعي إذا دعان﴾ ﴿ وقال ربكم ادعوني استجيب لكم﴾**، ولأنه يشبه عقيدة المشركين الــذين اتخذوا وسطاء يتوسطون لهم الى الله بزعمهم، فيكون الدعاء المؤدي الى هذا المحظور محظوراً، وحيث ورد الأمر به عن الشارع في حادثة معينة وجب قصره عليها، فلهذا كان الحديــث خاصاً بذلك الضرير.

«الثاني» : أن النداء والخطاب فيه بقوله : يا محمد إني أتوجه بك الى ربي، إنما يليقان بالحي الحاضر دون الغائب

أو الميت، فلهذا كان الحديث خاصاً بحالتي حضور النبي ﷺ وحياته.

«الثالث»: أن الصحابة لم يتوسلوا بالنبي ﷺ بعد انتقاله، بل توسلوا بالعباس وغيره من الأحياء، فكان تركهم للتوسل به ﷺ بعد انتقاله مع أنهم كانوا يتوسلون به في حياته وحضوره بينهم دليلا على تخصيص الحديث بحالتي الحياة والحضور، هذا أمثل ما يحتمل من الأدلة القاضية بتخصيص الحديث في زعم الوهابيين، وذلك كله باطل.

«أما الوجه الأول» فالإيهام المذكور فيه توهم وخيال، إذ لو كان في ذلك الدعاء أدنى إيهام لما خفى على النبي ﷺ الذي لقنه للضرير، وأمره أن يدعو به، وهو ﷺ إنما بعث للقضاء على الشرك وعلى كل ما يقرب اليه من قول أو عمل، فمحال عقلاً أن يلقن أحداً من أمته شيئاً يوهم نوعاً من الاشراك، أو يشبه عقيدة المشركين. فبطل هذا الوجه من أساسه.

«وأما الوجه الثاني» فيبطله أمور ثلاثة:

«الأول»: إجماع العلماء على أن النبي ﷺ حي في قبره،

حكى الاجماع الامام الحافظ أبو محمد ابن حزم في «المحلى» والحافظ شمس الدين السخاوي في «القول البديع» ولذا قرر المالكية أن من تكلم في الصلاة إجابة له ﷺ فإن صلاته لا تبطل على المعتمد سواء كان في حياته أو بعد انتقاله، وألغز بعضهم في ذلك بقوله:

يا فقيها شخص تكلم عمداً
في صلاة ولم يكن اصلاحاً
لصلاة وبعد هذا فقلتم
تلك صحت وحاز هذا نجاحا

«الثاني»: الأحاديث التي تدل على عرض أعمال أمته عليه، وأن علمه بعد انتقاله كعلمه في الدنيا، وهي مبسوطة في محلها من كتب الحديث والفضائل النبوية، وانظر كتابنا «نهاية الآمال في صحة حديث عرض الأعمال».

«الثالث»: إجماع الأمة المستفاد من النصوص المتواترة على قولهم في تشهد الصلاة: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، وهذا نداء وخطاب للنبي ﷺ بعد انتقاله، ومحال أن تجتمع الأمة على نداء ومخاطبة ميت لا

يدري ولا يشعر، فبطل هذا الوجه أيضاً من أساسه.

وأما الوجه الثالث فيبطله أمور:

«الأول» أن ترك الصحابة للتوسل بالنبي ﷺ بعد انتقالـه ليس مسلماً على **إطلاقه** بل هو **منقوض** بفعل عثمان بن حنيف، وبلال المزني كما تقدم ذلك.

«الثاني» أن ترك الصحابة للتوسل ـ لو سلـم على اطلاقه ـ يحتمل أن يكـون اتفاقيـاً أي اتفق أنهم تركـوا التوسل من غير أن يكون ممنوعاً، ويحتمل أن يكـون غير جائز في نظرهم، ويحتمل أن يكـون جائزاً ولـكن غيره أفضل منه، فتركوه الى الأفضل، ويحتمل أن يكون تركهم له لئلا يتخذ عادة متبعة ويترك ما سواه من الأدعيـة والعبادات، ويحتمل غير ذلك من الـوجوه التي بيناها في توسل عمر بالعباس رضي الله عنهما والقاعدة: أن ما دخله الاحتمال سقط به الاستدلال.

«الثالث»: أن هذا ترك فعل، أي أن الصحابة تركوا التوسل بالنبي ﷺ بعد انتقالـه، والترك وحده ـ إن لم يصحبه نص على أن المتروك محظور ـ لا يدل على ذلك،

بل غايته أن يفيد أن ترك ذلك الفعل مشروع، أما أن ذلك الفعل المتروك يكـون محظوراً فهذا لا يستفاد من الترك وحده، وإنما يستفاد من دليل يدل عليـه، ومن هنا كان الاستدلال على منع تعدد الجمعة في البلد الواحد، بأنها لم تتعدد في عهد النبي ﷺ، ولا في عهد الخلفاء الراشدين ـ ضعيفاً لما ذكرنا من أن ترك الشيء لا يدل على منع المتروك وحظره، وقد ذهب جماعة من العلماء منهم عطاء بن أبي رباح، وداود الـظاهري، وابن حزم، وابن العربي المعافري المالكي، الى جواز تعدد الجمعة في البلد الواحد، لحاجة ولغير حاجة، واستدلوا بعموم قولـه تعالى ﴿**يأيها الذين آمنوا إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله**﴾ ولم يلتفتوا الى أنها لم تتعدد في عهد الصحابة والتابعين، ولابن العربي في ذلك تأليف خاص، ذكره لنا مولانا الامام الشيخ الوالد رضي الله عنه.

(فإن قيل) ليس التعويل على مجرد ترك الصحابة للتوسل، بل على التفريـق بين الحالـين فإنهم كانوا في حياته ﷺ يتوسلون به، فلما انتقل تركوا التوسل به، هذا محط الفائدة ومناط الاحتجاج.

فالجواب : أن هذا لا يفيد أيضاً. لأن الحال في الجمعة كذلك أيضاً، فقد كان الصحابة من أهل العوالي وغيرهم يصلون الجماعات في مسجدهم فإذا كانت الجمعة تركوا مسجدهم وصلوا الجمعة مع النبي ﷺ ، وكذلك كانوا يفعلون في عهد الخلفاء الراشدين، وهذه كانت شبهة من منع تعدد الجمعة لكنها لم تفدهم، إذ قد بين المجوزون : أن غاية ذلك أنهم تركوا التعدد وأقرهم النبي ﷺ ، والخلفاء الراشدين من بعده، وهذا لا يدل على منع التعدد، وكذلك نقول هنا : غاية ما في الأمر أن الصحابة تركوا التوسل بالنبي ﷺ بعد انتقاله، وذلك لا يكفي دليلا على منع التوسل.

«الرابع» لو سلم أن الصحابة تركوا التوسل بالنبي ﷺ بعد وفاته فنهايته أن يكون إجماعا سكوتياً ـ لأنه لم يصرح أحد منهم بمنع التوسل جزماً ـ والاجماع السكوتي مختلف في حقيقته، وفي تسميته، وفي حجيته، فكيف يكون ـ والحالة هذه ـ مخصصاً لدليل شرعي لا خلاف في حجيته بين أحد من العلماء، وقال الامام العلامة علاء الدين القونوي في شرح التعرف ـ أثناء كلام له في هذا المعنى ـ :

وقد روى أبو القاسم الأصبهاني في الترغيب والترهيب بإسناده عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : «من صلى علي في يوم جمعة وليلة جمعة مائة من الصلاة قضى له مائة حاجة سبعين من حوائج الآخرة وثلاثين من حوائج الدنيا، ووكل الله بذلك ملكاً يدخله على قبري كما تدخل عليكم الهدايا إن علمي بعد موتي كعلمي في الحياة» وهذا وأمثاله من الأخبار ترد على هؤلاء المبتدعة الذين نبغوا في زماننا ومنعوا من التوسل بالنبي ﷺ بعد وفاته.

وقد جمع بعضهم كلاماً يتضمن نفي علمه ﷺ بعد الوفاة، ونقل بعضهم التفرقة بين حال حياته ووفاته فقال والتفريق بين الحياة والوفاة كان ثابتاً عند الصحابة، فلهذا استسقى أمير المؤمنين عمر بالعباس قال : ولولا أن هذا التفريق واضح عندهم لما عدل عمر رضي الله عنه ـ مع جلالته وكونه خليفة راشداً وكان يشاور أيضاً ـ عن قبر رسول الله ﷺ الى غيره هذا لفظ المبتدع[1] الجاهل الذي قامت عليه البينة بأشياء من هذا القبيل، وعزر على ذلك

(١) يعني به أحد تلاميذ ابن تيمية.

التعزير البالغ بالحبس والضرب والنفي وغير ذلك في شهور سنة خمس وعشرين وسبعمائة بالقاهرة المحروسة، وهذا الكلام من التفرقة بين الحالتين والاستناد فيه الى استسقاء عمر بالعباس رضي الله عنهما ليس له وإنما هو لشيخه، فإنه لما أظهر القول بنفي التوسل برسول الله ﷺ من سنين أورد عليه حديث الاستسقاء ففزع الى التفرقة المذكورة ولا متشبث له في الحديث المذكور، فإن عمر رضي الله عنه إنما قصد أن يتقدم العباس رضي الله عنه ويباشر الدعاء بنفسه، وهذا لا يتصور حصوله من غير الحي، وأما التوسل برسول الله ﷺ فلا نسلم أن عمر تركه بعد موته ﷺ، وتقديمه العباس ليدعو للناس لا ينفي جواز توسله به مع ذلك، أهـ .

وحديث أنس الذي عزاه الى أبي القاسم الأصبهاني، رواه أيضاً الديلمي وأبو عمرو بن منده في الأول من فوائده، وغيرهم وإسناده ضعيف لكن أحاديث عرض صلاتنا عليه ﷺ، بالغة مبلغ التواتر، وقول ذلك المبتدع ولولا أن هذا التفريق واضح عندهم لما عدل عمر عن قبر رسول الله ﷺ الى غيره يقال عليه : لئن عدل عنه عمر في

هذه المناسبة ـ للوجوه التي مر بسطها ـ لقد لجأ اليه غيره من الصحابة في مناسبة أخرى قال الامام الدارمي في سننه: حدثنا أبو النعمان ثنا سعيد بن زيد ثنا عمرو بن مالك النكري ثنا أبو الجوزاء أوس بن عبد الله قال : قحط أهل المدينة قحطاً شديداً فشكوا الى عائشة فقالت : انظروا قبر النبي ﷺ فاجعلوا منه كوى الى السماء حتى لا يكون بينه وبين السماء سقف، ففعلوا فمطرنا مطراً حتى نبت العشب وسمنت الإبل حتى تفتقت من الشحم، فسمي عام الفتق. أخرجه الدارمي تحت ترجمة : باب ما أكرم الله به نبيه بعد موته، واسناده لا بأس به، وسعيد بن زيد ـ وان تكلم فيه ـ من رجال مسلم، ووثقه ابن معين وغيره، قال صاحب «مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح» ما نصه : قيل في سبب كشف قبره أنه ﷺ كان يستشفع به عند الجدب فتمطر السماء فأمرت عائشة رضي الله عنها بكشف قبره مبالغة في الاستشفاع به فلا يبقى بينه وبين السماء حجاب. أهـ .

وبالضرورة كان في المدينة إذ ذاك صحابة وتابعيون فلم ينقل عن أحد منهم أنه أنكر عليها ذلك، قال العلامة أبو

عبد الله محمد بن عبد القادر الفاسي في شرح «عدة الحصن الحصين» بعد كلام في هذا المعنى، ما نصه : وبالجملة فالتوسل بالنبي ﷺ صاحب الشفاعة العظمى - في حضوره وغيبته، مما لا توقف فيه. أهـ وقال ابن أبي الدنيا في كتاب «مجابي الدعاء» حدثنا أبو هشام محمد بن يزيد بن محمد بن كثير بن رفاعة قال جاء رجل الى عبد الملك بن أبجر - وكان طبيباً - فجس بطنه، فقال : بك داء لا يبرأ، قال : ما هو؟ قال : الدبيلة، قال : فتحول الرجل فقال : الله الله ربي لا أشرك به شيئاً، اللهم إني أتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة، يا محمد إني أتوجه بك الى ربك وربي يرحمني مما بي، قال : فجس بطنه، فقال : قد برئت ما بك علة.

قلت : كان ابن أبجر حافظاً، وهو من رجال مسلم وأبي داود والترمذي والنسائي، وكان لا يأخذ أجراً على العلاج، وثقه أحمد وابن معين وغيرهما وأثنوا عليه خيراً، وبالله التوفيق.

«خاتمة»

تشتمل على مسائل :

«المسألة الأولى» تكلم ابن تيمية في رسالة «زيارة القبور والاستنجاد بالمقبور» على التوسل، وقسمه الى أنواع ثلاثة، وأطال في النوع الأول والثاني ثم قال : وأما القسم الثالث وهو أن يقول : اللهم بجاه فلان عندك، أو ببركة فلان، أو بحرمة فلان عندك، افعل بي كذا وكذا. فهذا يفعله كثير من الناس، لكن لم ينقل عن أحد من الصحابة والتابعين وسلف الأمة أنهم كانوا يدعون بمثل هذا الدعاء، ولم يبلغني عن أحد من العلماء في ذلك ما أحكيه إلا ما رأيت في فتاوى الفقيه أبي محمد ابن عبد السلام، فإنه أفتى أنه لا يجوز لأحد أن يفعل ذلك إلا للنبي ﷺ إن صح الحديث في النبي ﷺ، ومعنى الاستثناء قد روى النسائي والترمذي وغيرهما أن النبي ﷺ علم بعض

أصحابه أن يدعو فيقول : اللهم إني أسألك وأتوسل اليك بنبيك نبي الرحمة، يا محمد يا رسول الله إني أتوسل بك الى ربي في حاجتي ليقضيها لي. اللهم فشفعه في، اه. المراد منه، وقلده الشوكاني فحكى هذا القول عن عز الدين ابن عبد السلام، في رسالة «الدر النضيد في إخلاص كلمة التوحيد» وإن لم يوافق على هذا الاستثناء بل ناقشه ورده، والواقع أن ابن تيمية أخطأ في هذا النقل، لأن فتوى عز الدين بن عبد السلام في الإقسام على الله بخلقه لا في التوسل، ونحن ننقل فتواه بنصها ليتبين المراد. جاء في الفتاوى الموصلية ما نصه : الحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله، نسخة أسئلة أجاب عنها الشيخ الإمام العلامة شيخ الإسلام عز الدين ابن عبد السلام ابن أبي القاسم بن مهذب السلمي رضي الله عنه وأعاد علينا وعلى الكافة من بركاته.

«مسألة» ما يقول وفقه الله تعالى - في الذاعي يقسم على الله تعالى بعظيم من خلقه في دعائه كالنبي ﷺ، والولي والملك؟ هل يكره له ذلك؟ أم لا، ثم ذكر عدة اسئلة، ثم قال : أجاب الشيخ رضي الله عنه : أما الدعاء فقد جاء

في بعض الأحاديث أن رسول الله ﷺ علم بعض الناس الدعاء فقال في أوله «قل : اللهم إني أقسم عليك بنبيك محمد نبي الرحمة» وهذا الحديث - إن صح - فينبغي أن يكون مقصوراً على رسول الله ﷺ لأنه سيد ولد آدم، وأن لا يقسم على الله تعالى بغيره من الأنبياء والملائكة والأولياء لأنهم ليسوا في درجته، وأن يكون هذا مما خص به نبينا على علو درجته ومرتبته. هذا كلامه بحروفه، نقلناه من الفتاوى الموصلية، وهي تحت يدنا، وهكذا نقله أصحاب الخصائص كالحافظ السيوطي، والقسطلاني، وغيرهما، مستدلين به على أن الإقسام على الله تعالى بالنبي ﷺ من خصوصياته، وهذا غير ما نحن فيه وهو التوسل الى الله بجاهه مثلا بدون إقسام عليه.

فإن قيل : قد نقل البرزلي في نوازله كلام ابن عبد السلام، وحمل القسم فيه على التوسل، حيث قال - أثناء كلامه - ما نصه : وتقدم جواب عز الدين في الإقسام على الله بأحد من خلقه، وأنه اختار أن لا يتوسل بأحد من خلقه إلا بالنبي ﷺ خاصة، وتقدم ما فيه من مذهب غيره، وما ذكر في حكايات كثيرة من الوسيلة بالصالحين، فأحرى

الملائكة والأنبياء. اه. فظاهره أن القسم والتوسل واحد، وأصرح منه قول أبي عبد الله الفاسي : إذا كان لا يراد بالقسم اليمين، لما علم من النهي عن القسم بغير الله تعالى، لم يبق إلا استعماله في معنى التوسل والاستشفاع والتأكيد به، وأطلق القسم على ذلك مجازاً. اه. فعلى هذا لا يكون في نقل ابن تيمية خطأ لما تبين أن القسم بمعنى التوسل.

فالجواب من وجوه :

«الأول» الراجح بل الواقع أن القسم غير التوسل كما صرح به الحطاب وأبو عبد الله القصار وغيرهما، لمغايرة حقيقة القسم للتوسل، وتباينهما، وهذا واضح لا يحتاج الى بيان.

«الثاني» : أن الذين جعلوا القسم بمعنى التوسل اعترفوا بأن ذلك على سبيل المجاز لا الحقيقة[1]، والمجاز

---

(١) ولذلك رجح أبو عبد الله الفاسي في آخر كلامه إبقاء القسم في كلام عز الدين على حقيقته، ونص عبارته : إن حملنا القسم على التوسل أشكل ما منعه ابن عبد السلام وإن حملناه على حقيقته أشكل ما روى عن معروف، والذي يزول به الاشكال أن يكون ابن عبد السلام أبقى القسم على حقيقته، ويكوم حديث «أقسم عليك بمحمد ﷺ» إن صح مخصصاً لحديث النهي عن =

خلاف الأصل، وإنما ارتكبوه لقرينة قامت عندهم، وهي النهي عن الحلف بغير الله تعالى، لكن النهي عند معظم العلماء للكراهة لا للتحريم، بدليل قوله ﷺ : «أفلح - وأبيه - إن صدق» ونحوه من الأحاديث، على أن النبي ﷺ مستثنى من هذا النهي، فقد أجاز الإمام أحمد في إحدى الروايتين عنه، الحلف به، وأوجب الكفارة في حنثه، لأن الله تعالى أقسم به في قوله تعالى ﴿لعمرك إنهم لفي سكرتهم يعمهون﴾[1] فإن هذا قسم من الله بحياة رسوله، كما عليه أكثر المفسرين من السلف والخلف، قال ابن القيم : بل لا يعرف السلف فيه نزاعاً، قال : فهو أهل أن يقسم به والقسم به أولى من القسم بغيره من المخلوقات اه. ولأنه ﷺ أحد جزأي الشهادة التي لا يتم إسلام الشخص إلا بها. وهذا مدرك عز الدين في جعله

= الحلف بغير الله، وأما كلام معروف وما يشبهه فيحمل فيه القسم على التوسل ولا إشكال حينئذ والله تعالى أعلم. اه بحروفه.

قلت : وما روي عن معروف الكرخي هو قوله لتلامذته : إذا كانت لكم عند الله حاجة فأقسموا عليه بي، أي فتوسلوا إليه بي.

(١) قال الحافظ السيوطي في كتاب «الإكليل في استنباط التنزيل» في الكلام على هذه الآية ما نصه : واستدل بها أحمد بن حنبل على أن من أقسم بالنبي ﷺ لزمته الكفارة اه. بلفظه.

الإقسام به من خصائصه ﷺ، ولم يتفطن لذلك ابن تيمية وغيره ممن حمل كلامه على التوسل.

«الثالث» أن واجب الأمانة العلمية يقضي على ابن تيمية أن ينقل كلام عز الدين بلفظه، ثم يحمل القسم فيه على التوسل كما فعل البرزلي، ويترك للقارىء أن يوازن بين رأيه ورأي من يخالفه في ذلك الحمل، أما أن يطلق القول بأن عز الدين يجعل التوسل بالنبي ﷺ من خصوصياته، قاطعاً بذلك، غير ناظر الى ما في حمل القسم على التوسل من الخلاف. فذلك تدليس لا يرضاه عالم يحترم نفسه، ويعتز بكرامته العلمية، وأقل ما يقال فيه - مع كثير من التغاضي والتساهل - إنه خطأ.

«المسألة الثانية» ذكر ابن تيمية في فتوى خاصة بالتوسل، كتبها بمصر سنة ٧١١ هجرية، ما نصه: وقد نقل في منسك المروزي عن أحمد دعاء فيه سؤال بالنبي ﷺ، وهذا قد يخرج على إحدى الروايتين عنه في جواز القسم به، وأعظم العلماء على النهي في الأمرين اه. وذكر في كتابه «قاعدة جليلة» أثر الرجل العليل الذي أتى الى عبد الملك بن أبجر ليعالجه، وقد مر أواخر الباب

السابق، وقال عقبه ما نصه: فهذا الدعاء ونحوه قد روى أنه دعا به السلف، ونقل عن أحمد بن حنبل في منسك المروزي التوسل بالنبي ﷺ اه. فانظر - وفقك الله - كيف اعترف هنا بأن السلف - ومنهم الإمام أحمد - توسلوا بالنبي ﷺ، في دعائهم، ثم وازنه بقوله في المسألة السابقة: لم ينقل عن أحد من الصحابة والتابعين وسلف الأمة، أنهم كانوا يدعون بمثل هذا الدعاء، ولم يبلغني عن أحد من العلماء في ذلك ما أحكيه، إلى آخر ما سبق، تجد بينهما تناقضاً واضحاً - ولا تنس - الى جانب هذا - ما قدمناه من توسل الرجل الذي كانت له الى عثمان بن عفان حاجة، بإرشاد عثمان بن حنيف، وذهاب بلال المزني الى قبر النبي ﷺ يستسقي به عام الرمادة، وإشارة عائشة أم المؤمنين على أهل المدينة - حين قحطوا - أن يكشفوا عن قبر النبي ﷺ، مبالغة في الاستشفاع به، وكل هذا يدلك على أن ابن تيمية لا يسلك في بحوثه مسلك العالم المنصف الذي يحكي آراء مخالفيه بمنتهى الأمانة والدقة كما يفعل ابن حزم وغيره، بل يحاول - بمختلف الأساليب - أن يؤثر في قارئه ويوهمه بأن رأيه فقط هو الصواب، وأنه لا يعرف بين

الصحابة والتابعين وسلف الأمة قول يخالف ما اختاره وذهب اليـه، إلى آخر التهويـلات التي اعتادها في كلامه للتأثير بها على قرائه، بحيث يشعرك أن رأيه إجماع، ثم لا يلبث أن يعترف - في غضون كلامه - بإثبات ما نفاه، وهدم ما بناه، ومن هنا كثر التناقض في كتب ابن تيميـة بشكل لم يعهد في كتب غيره من العلماء، بل يتناقض في الكتاب الواحد عدة مرات فيصحح الحديث في موضع، ويعله في موضع آخر، وينفي وجود الخلاف في مسألة ثم يحكيـه فيها بعد ذلك، وهكـذا. وما هذا شأن العلماء المنصفين، وبالله التوفيق.

«المسألة الثالثة» : في ترجمة الصحابي راوي الحديث :
هو عثمان بن حنيف - بالتصغير - بن واهب بن العكيم بن ثعلبة بن الحارث بن مجدعة بن عمرو بن حبيش بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالك بن أوس الأنصاري الأوسي. يكنى أبا عمرو، وقيل أبا عبد الله، قال الترمذي : شهد بدراً، وتفرد بذلك، والجمهور على أن أول مشاهده أحد، نعم أخوه سهل بن حنيف شهد بدراً بلا خلاف قال العسكري : شهد عثمان أحداً وما بعدها.

روى عنه ابن أخيـه أبو أمامة بن سهل بن حنيف، وعبيـد الله بن عبد الله بن عتبة، وعمارة بن خزيمة بن ثابت ونوفل بن مساحق، وهاني بن معاوية الصدفي، ولاه عمر رضي الله عنه مساحة الأرضين وجبايتها وضرب الخراج والجزية على أهلها وولاه علي عليه السلام البصرة، فأخرجه طلحة والزبير رضي الله عنهما حين قدما البصرة، ثم قدم علي عليـه السلام وكـانت وقعة الجمل، قال ابن عبد البر : ذكر العلماء بالأثر والخبر : أن عمر بن الخطاب استشار الصحابة في رجل يوجهه الى العراق، فأجمعوا جميعاً على عثمان بن حنيف وقالوا : إن تبعثه على أهم من ذلك فإن له بصراً وعقلاً ومعرفة وتجربة، فأسرع عمر إليه فولاه مساحة أرض العراق، فضرب عثمان رضي الله عنه على كل جريب من الأرض يناله الماء غامراً وعامراً درهماً وقفيـزاً، فبلغت جبايـة سواد الكـوفة قبل أن يموت عمر بعام، مائة ألف ألف، ونيفاً، ونال عثمان بن حنيف في نزول عسكر طلحة والزبير البصرة، ما زاد في فضله. اه.
توفي رضي الله عنه بالكوفة في خلافة معاوية.

«المسألة الرابعة» : قال أبو عبد الله الفاسي المالكي في

شرح عدة الحصن الحصين : وعلى اعتبار القيـاس عليـه - يعني حديـث توسل الضريـر - يقال : كل من تصح شفاعته، يصح التوسل به، فيـدخل غيره من الأنبيـاء، وكذلك الأولياء[1] اه.

---

(١) وفي باب آداب الدعاء، من كتاب (نزل الأبرار - ص ٣٧) ما نصه : ومنها التوسل إلى الله سبحانه بالأنبياء ويـدل عليـه ما أخرجه الترمذي من حديـث عثمان بن حنيف - وذكـر حديـث توسل الضريـر - ثم قال : ومنها التوسل بالصالحين ويــدل له ما ثبت في الصحيــح أن الصحابة استسقوا بالعباس عم رسول الله ﷺ. ثم قال : ومسألة التوسل بالأنبياء والصالحين مما اختلف فيه أهل العلم اختلافاً شديداً بلغت النوبة الى أن كفر بعضهم بعضاً أو بدع وضلل، والأمر أيسر من ذلك، وأهون مما هنالك وقد قضى الوطر منها صاحب كتاب «الـدين الخالص» والعلامة الشوكـاني في «الـدر النضيـد في إخلاص كلمة التوحيد» وحاصلها : جواز التوسل بهم على ما ورد من الهيئات وعلى القصر على ما في الروايات، ولا يقاس عليه ولا يزاد عليـه شيء، ولا نشك ان من لا يرى التوسل إخلاصاً لله ليس عليه إثم ولا وزر، ومن توسل فما أساء، بل جاء بما هو جائز في الجملـة، وكـذلك ثبت التوسل بالأعمال الصالحة كما سبقت الإشارة إليه فيما تقدم، وبالجملة ليست المسألة مستحقة لمثل تلك الـزلازل والقلاقل. ولـكن مفاسد الجهل والتعصب، ومساوي التقليد والتعسف لا تحصى . اه.

قلت : صدق فيما قال، فإن التوسل كغيره من المسائل التي اختلف فيها العلماء، ولسنا نعيب من يرى تحريمه أو كراهته، بل نحن لا نوافق على كثير من توسلات العامة وأشباههم، ولـكننا نعيـب على تجار العقيـدة وسماسرة العلم. نغمتهم الكريهة التي دأبوا عليها وهي إكفار المتوسلين ورميهم بأنواع الشرك، والحكم بخروجهم عن ربقة الإسلام.

قلت : ورد في كل من النوعين حديث. فأما التوسل بالأنبياء فورد فيـه ما رواه الـطبراني في معجميـه الـكبير والأوسط قال : حدثنا أحمد بن حماد بن زغبة ثنا روح بـن صلاح أخبرنا سفيان عن عاصم عن أنس رضي الله عنه قال : لما ماتت فاطمة بنـت أسـد أم علي رضي الله عنهما دخل عليها رسول الله ﷺ، فجلس عند رأسهـا فقـال : رحمـك الله يا أمـي، كنـت أمـي بعـد أمـي، تجوعـين وتشبعينني، وتعـرين وتكسينني وتمنعـين نفسـك طيبـاً وتطعمينني، تريدين بذلك وجه الله والدار الآخرة، ثم أمر أن تغسل ثلاثاً ثلاثاً، فلما بلغ الماء الـذي فيه الكافـور، وضعه رسول الله ﷺ بيده، ثم خلع رسول الله ﷺ قميصه فألبسها إياه. وكفنها ببرد فوقه، ثم دعـا رسـول الله ﷺ أسامة بن زيد وأبا أيوب الأنصـاري وعمر بـن الخطـاب وغلاماً أسود يحفرون فحفروا قبرهـا، فلما بلغـوا اللحـد حفره رسول الله ﷺ بيده، وأخرج ترابـه بيده، فلما فرغ دخل فيه رسول الله ﷺ، فاضطجع فيه وقال : «الله الذي يحيي ويميت، وهو حي لا يموت، أغفر لأمي فاطمة بنت أسد، ولقنها حجتها، ووسع عليها مدخلها، بحق نبيك

والأنبياء الذين من قبلي، فإنك أرحم الراحمين» وكبر عليها أربعاً، وأدخلها اللحد هو وأبو بكر رضي الله عنهما، إسناده حسن. وفاطمة بنت أسد صحابية فاضلة، قال الشعبي أسلمت وهاجرت إلى المدينة وماتت بها. وقال الزبير بن بكار: هي أول هاشمية ولدت خليفة، ثم بعدها فاطمة الزهراء عليها السلام.

تنبيهان: «الأول» فاطمة بنت أسد هي أحدى الفواطم الواردة في الحديث الذي رواه ابن أبي عاصم من طريق أبي فاختة عن جعدة بن هبيرة عن علي عليه السلام قال: أهدي الى رسول الله ﷺ حلة استبرق، فقال: «اجعلها خمراً بين الفواطم» فشققتها أربعة أخمرة خماراً لفاطمة بنت رسول الله ﷺ، وخماراً لفاطمة بنت أسد، وخماراً لفاطمة بنت حمزة. قال الحافظ ابن حجر. ولم يذكر الرابعة، ولعلها امرأة عقيل أخي علي رضي الله عنهما.

قلت: واسمها فاطمة بنت شيبة بن ربيعة بن عبد شمس العبشمية، وقيل: فاطمة بنت عتبة بن ربيعة بن عبد شمس العبشمية، أخت هند أم معاوية.

«الثاني»: فاطمة بنت أسد، هذه. غير فاطمة بنت

أبي الأسد المخزومية التي قطعها النبي ﷺ بسبب سرقة حلي، واستشفع أهلها وقومها الى النبي ﷺ بغير واحد حتى استشفعوا بأسامة بن زيد، حبه وابن حبه، فقال له النبي ﷺ: «أتشفع في حد من حدود الله؟» ولم يعفها من إقامة الحد عليها. وقيل اسمها فاطمة بنت الأسود بن عبد الأسد. أسلمت وبايعت، وأما التوسل بغير الأنبياء فورد فيه الحديث الذي رواه أحمد وابن ماجة وابن خزيمة في كتاب التوحيد والطبراني في الدعاء وأبو نعيم وغيرهم عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: «من خرج من بيته الى الصلاة فقال: اللهم إني أسألك بحق السائلين عليك، وأسألك بحق ممشاي هذا، فإني لم أخرج أشراً ولا بطراً ولا رياء ولا سمعة، وخرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك فأسألك أن تعيذني من النار وتغفر لي ذنوبي إنه لا يغفر الذنوب إلا أنت. أقبل الله عليه بوجهه واستغفر له سبعون ألف ملك». ضعفه النووي في الأذكار وليس كذلك، بل هو حديث حسن كما صرح به الحافظ أبو الحسن بن المفضل المقدسي المالكي، والحافظ العراقي، والحافظ ابن حجر العسقلاني، وله ـ مع

هذا شاهد من حديث بلال عند ابن السني في عمل اليوم والليلة، ومن حديث أبي أمامة عند الطبراني في الدعاء، وهذا الحديث يفيد التوسل بحق أرباب الخير على سبيل العموم كما قال ابن علان الصديقي في شرح الأذكار، وروى الطبراني بإسناد صحيح عن أمية بن عبد الله بن خالد بن أسيد، مرسلاً : كان رسول الله ﷺ يستفتح بصعاليك المسلمين، وفي رواية : يستنصر بصعاليك المسلمين وتقدم خبر استسقاء عمر بالعباس رضي الله عنهما.

وروى أبو يعلى من طريقين عن جابر رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : «ليأتين على الناس زمان يخرج الجيش من جيوشهم فيقال : هل فيكم من صحب محمداً ﷺ فيستنصرون به فينصرون، ثم يقال هل فيكم من صحب محمداً ﷺ فيقال لا، فمن صحب أصحابه؟ فلو سمعوا به من وراء البحر لأتوه» قال الحافظ الهيثمي رجال الطريقين رجال الصحيح اه. وفي أوسط معاجم الطبراني عن أنس قال : قال رسول الله ﷺ «لن تخلو الأرض من أربعين رجلاً مثل خليل الرحمن فيهم تسقون

وبهم تنصرون، ما مات منهم أحد إلا أبدل الله مكانه آخر» قال سعيد : وسمعت قتادة يقول : لسنا نشك أن الحسن - يعني البصري - منهم، قال الحافظ الهيثمي : إسناده حسن اه. ففي الحديث إرشاد الى الاستشفاع بالأبدال، وهم لا شك من الأولياء وفي الحديث الذي قبله الاقرار على الاستنصار بالصحابة والتابعين.

«المسألة الخامسة»: في أذكار تقال لقضاء الحاجة، أحببت أن أوردها مع الكلام عليها إتماماً للفائدة.

١ - فمنها : ما رواه الترمذي وابن ماجة والطبراني وعبد الرزاق الطبسي في كتاب «الصلاة» له عن عبد الله بن أبي أوفى رضي الله عنهما قال : قال رسول الله ﷺ : «من كانت له إلى الله حاجة أو إلى أحد من بني آدم فليتوضأ وليحسن الوضوء وليصل ركعتين ثم ليثن على الله، وليصل على النبي ﷺ، ثم ليقل : لا إله إلا الله الحليم الكريم، سبحان الله رب العرش العظيم، الحمد لله رب العالمين، أسألك موجبات رحمتك، وعزائم مغفرتك، والغنيمة من كل بر، والسلامة من كل إثم. لا

تدع لي ذنباً إلا غفرته، يا أرحم الـراحمين، ولا هماً إلا فرجته ولا حاجة هي لك رضا الا قضيتها يا أرحم الراحمين»: زاد ابن ماجة بعد قوله «يا أرحم الـراحمين»، «ثم يسأل من أمر الدنيـا والآخرة ما شاء فإنه يقدر» قال الترمـذي غريـب، وفي إسناده مقال، وفائد يضعف في الحديـث اه. ورواه الحاكـم مختصراً، وزاد بعد قولـه «وعزائم مغفرتك» «والعصمة من كل ذنب» وقال أخرجته شاهداً، وفائد مستقيم الحديث. اهـ ملخصاً. وذكـره ابن الجوزي في المـوضوعات وأعلـه بفايـد، وقال الحافظ السخاوي: بعد كلام - وفي الجملة هو حديـث ضعيف جداً يكتب في فضائل الأعمال. وأما كونه موضوعاً فلا اه. وله شواهد ضعيفة، ستذكر فيما بعد.

٢ - «ومنها»: ما رواه الطبراني في الدعاء عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ «إذا طلبت حاجة وأردت أن تنجح فقل: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، العلي العظيم، لا إله إلا الله وحده لا شريك له رب السماوات والأرض ورب العرش العظيم، كأنهم يوم يرونها لم يلبثوا إلا عشية أو ضحاها، كأنهم يوم يرون ما يوعدون لم يلبثوا

إلا ساعة من نهار بلاغ، فهل يهلك إلا القوم الفاسقون اللهم إني أسألك موجبات رحمتك، وعزائم مغفرتك، والسلامة من كل إثم، والغنيمة من كل بر، والفوز بالجنة، والنجاة من النار، اللهم لا تدع لي ذنباً إلا غفرته، ولا هماً إلا فرجته، ولا حاجة هي لك رضاء إلا قضيتها يا أرحم الراحمين» في سنده أبو معمر عباد بن عبد الصمد، وهو ضعيف جداً.

٣ - «ومنها»: ما رواه الأصبهاني في الترغيب عن أنس أن النبي ﷺ قال: «يا علي ألا أعلمك دعاء إذا أصابك غم أو وهم تدعو به ربك، فيستجاب لك بإذن الله، ويفرج عنك: توضأ وصل ركعتين واحمد الله واثن عليه، وصل على نبيك، واستغفر لنفسك وللمؤمنين والمؤمنات، ثم قل: اللهم أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون لا إله إلا الله العلي العظيم، لا إله إلا الله الحليم الكريم سبحان الله رب السماوات السبع ورب العرش العظيم، الحمد لله رب العالمين. اللهم كاشف الغم، مفرج الهم، مجيب دعوة المضطرين إذا دعوك، رحمن الدنيـا والآخرة ورحيمها، فارحمني في حاجتي هذه بقضائها ونجاحها

رحمة تغنيني بها عن رحمة من سواك» إسناده ضعيف.

٤ ـ «ومنها» : ما رواه الديلمي في مسند الفردوس من طريق شقيق بن إبراهيم البلخي العابد المشهور عن أبي هاشم عن أنس عن النبي ﷺ قال : «من كانت له حاجة الى الله فليسبغ الوضوء وليصل ركعتين يقرأ في الأولى بفاتحة الكتاب وآية الكرسي، وفي الثانية بفاتحة الكتاب وآمن الرسول، ثم يتشهد ويسلم ويدعو بهذا الدعاء : اللهم يا مؤنس كل وحيد، ويا صاحب كل فريد، ويا قريباً غير بعيد، ويا شاهداً غير غائب، ويا غالباً غير مغلوب، يا حي يا قيوم، يا ذا الجلال والاكرام، يا بديع السماوات والأرض، أسألك باسمك الرحمن الرحيم، الحي القيوم الذي عنت له الوجوه، وخشعت له الأصوات، ووجلت له القلوب من خشيته. أن تصلي على محمد وعلى آل محمد، وأن تفعل بي كذا وكذا، فإنه تقضي حاجته». أبو هاشم ـ واسمه كثير بن عبد الله الأيلي ـ متروك الحديث ضعيف جداً.

٥ ـ «ومنها» : ما رواه عبد الرزاق الطبسي في كتاب «الصلاة» له عن أنس أيضاً قال : قال رسول الله ﷺ، لأم

أيمن : «إذا كانت لك حاجة وأردت نجاحها فصلي ركعتين تقرئين في كل ركعة الفاتحة وتقولين : سبحان الله والحمد لله ولا إلـه إلا الله والله أكبر، كل واحدة عشراً، فكلما قلت شيئاً من ذلك قال الله عز وجل : هذا لي قد قبلته، فإذا فرغت منها وتشهدت فاسجدي قبل السلام، وقولي وأنت ساجدة : يا الله أنت الله لا غيرك ، يا حي يا قيوم، يا ذا الجلال والاكرام، صل على محمد، وعلى آله الطيبين الأخيار، واقض حاجتي هذه يا رحمن، واجعل الخيرة في ذلك. إنك على كل شيء قدير، يا أم أيمن إن العبد إذا ذكر الله في السراء ونزل به ضر، قالت الملائكة : صوتاً معروفاً، اشفعوا له إلى ربه عز وجل وأمنوا على دعائه، فيكشف الله عنه، ويقضي حاجته». قال الحافظ السخاوي : سنده واه بمرة. اه.

٦ ـ «ومنها» : ما رواه ابن الجوزي في الموضوعات من طريق أبان بن أبي عياش عن أنس عن النبي ﷺ قال : «من كان له إلى الله حاجة عاجلة أو آجلة، فليقدم بين يديه صدقة، فليصم الأربعاء والخميس والجمعة، ثم يدخل يوم الجمعة الى الجامع فليصل اثنتي عشرة ركعة يقرأ في

عشر ركعات في كل ركعة : الحمد مرة، وآية الكرسي عشر مرات، ويقرأ في الركعتين الحمد مرة، وقل هو الله أحد خمسين مرة، ثم يجلس ويسأل الله حاجته فليس يرده من حاجة عاجلة أو آجلة إلا قضاها له». قال ابن الجوزي : أبان متروك.

قلت : أبان واه بمرة، على صلاحه.

٧ ـ «ومنها» : ما رواه الحاكم والبيهقي عن ابن مسعود رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : «اثنتا عشرة ركعة تصليهن من ليل أو نهار وتتشهد بين كل ركعتين فإذا تشهدت في آخر صلاتك فاثن على الله عز وجل، وصل على النبي ﷺ واقرأ وأنت ساجد فاتحة الكتاب سبع مرات وآية الكرسي سبع مرات، وقل لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير عشر مرات، ثم قل اللهم إني أسألك بمعاقد العز من عرشك ومنتهى الرحمة من كتابك واسمك الأعظم وجدك الأعلى وكلماتك التامة، ثم سل حاجتك، ثم ارفع رأسك، ثم سلم يميناً وشمالاً، ولا تعلموها السفهاء. فإنهم يدعون بها فيستجابون» قال الحاكم : قال أحمد بن حرب : قد جربته

فوجدته حقاً، وقال إبراهيم بن علي الدبيلي قد جربته فوجدته حقاً، وقال لنا أبو زكريا قد جربته فوجدته حقاً، قال الحاكم : قد جربته فوجدته حقاً.

قلت : لكن سنده واه بمرة كما قال الحافظ السخاوي، وذكره ابن الجوزي في الواهيات، ونقل الحافظ المنذري عن شيخه الحافظ أبي الحسن المقدسي : أن الاعتماد في مثل هذا على التجربة لا على الاسناد اه.

لكن لا يعتقد مع ذلك وروده عن النبي ﷺ، لئلا يقع في وعيد الكذب عليه، وأصح طرق هذا الحديث ـ كما قال الحافظ السخاوي ـ ما رواه هشيم بن أبي ساسان عن ابن جريج عن عطاء قوله، وليس عن النبي ﷺ.

٨ ـ «ومنها» : ما رواه أبو موسى المديني وأبو عبد الله النميري عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال : من كانت له إلى الله حاجة فليصم يوم الأربعاء والخميس والجمعة، فإذا كان يوم الجمعة تطهر وراح الى المسجد، فتصدق بصدقة قلت أو كثرت فإذا صلى الجمعة قال : اللهم إني أسألك باسمك بسم الله الرحمن الرحيم الذي لا

إله إلا هو عالم الغيب والشهادة الرحمن الرحيم، أسألك باسمك بسم الله الرحمن الرحيم الذي لا إله إلا هو الحي القيوم لا تأخذه سنة ولا نوم، الذي ملأت عظمته السماوات والأرض وأسألك باسمك بسم الله الرحمن الرحيم الذي لا إله إلا هو، الذي عنت له الوجوه، وخشعت له الأبصار، ووجلت له القلوب من خشيته أن تصلي على محمدﷺ، وأن تقضي حاجتي وهي كذا وكذا فإنه يستجاب له إن شاء الله تعالى. قال: وكان يقال. لا تعلموه سفهاءكم، لئلا يدعوا به في مأثم أو قطيعة رحم. وهذا موقوف على ابن عمر.

٩ ـ «ومنها»: ما رواه الدينوري في المجالسة عن الحسن البصري أنه قال: هذا الدعاء هو دعاء الفرج ودعاء الكرب. يا حابس يد إبراهيم عن ذبح ابنه وهما يتناجيان اللطف يا أبت يا بني، يا مقيض الركب ليوسف في البلد القفر وغيابه الجب وجاعله بعد العبودية نبياً ملكاً، يا من سمع الهمس من ذي النون في ظلمات ثلاث ظلمه قعر البحر وظلمة الليل، وظلمة بطن الحوت. يا راد حز ن يعقوب، ويا راحم عبرة داود ويا كاشف ضر أيوب،

يا مجيب دعوة المضطرين، يا كاشف غمم المهمومين. صل على محمد وعلى آل محمد، وأسألك أن تفعل بي كذا وكذا.

١٠ ـ «ومنها»: ما رواه عبد الرزاق الطبسي عن ابن عباس مرفوعاً «من كانت له حاجة إلى الله فليقم في موضع لا يراه أحد. وليتوضأ وضوءاً سابغاً وليصل أربع ركعات يقرأ في كل ركعة منها الفاتحة مرة، وقل هو الله أحد في الأولى عشراً، وفي الثانية عشرين وفي الثالثة ثلاثين، وفي الرابعة أربعين، فإذا فرغ من صلاته قرأ قل هو الله أحد، أيضاً خمسين مرة، وصلى على النبيﷺ سبعين، وقال: لا حول ولا قوة إلا بالله. سبعين، فإن كان عليه دين قضى الله دينه وإن كان غريباً رده الله، وإن كان عليه ذنوب مثل عنان السماء ـ يعني السحاب ـ ثم استغفر ربه يغفرله وإن لم يكن له ولد يرزقه الله ولداً، فإن دعاه أجابة، وإن لم يدعه يغضب عليه وكان يقول لا تعلموها سفهاءكم فيستعينوا بها على فسقهم». قال الحافظ السخاوي سنده تالف.

١١ ـ «ومنها»: ما رواه الديلمي في موضعين من مسند الفردوس عن الربيع حاجب المنصور، قال: لما

استقرت الخلافة لأبي جعفر المنصور قال لي يا ربيع ابعث إلى جعفر بن محمد الصادق من يأتيني به، ثم قال لي بعد ساعة : ألم أقل لك أن تبعث إلى جعفر بن محمد، فوالله لتأتيني به وإلا قتلتك، فلـم أجد بداً فذهبت إليــه، فقلت : يا أبا عبد الله أجب أمير المؤمنين فقام معي، فلما دنونا من الباب، قام يحرك شفتيه ثم دخل فسلم عليه فلم يرد عليه فوقف فلم يجلسه، ثم رفع رأسه إليه فقال : يا جعفر أنت الـذي ألبت علينا وأكثرت، وحدثني أبي عن أبيه عن جده أن النبيﷺ قال لكل غادر لواء يوم القيامة يعرف به» فقال جعفر : حدثني أبي عن أبيه عن جده أن النبيﷺ قال : «ينادي مناد يوم القيامة من بطنان العرش ألا فليقم من كان أجره على الله تعالى، فلا يقوم إلا من عفا عن أخيه» فما زال يقول حتى سكن ما به ولان له، فقال : اجلس أبا عبد الله، ارتفع أبا عبد الله، ثم دعا بمدهن غالية فجعل يخلقه بيد، والغاليـة تقطر من بين أنامل أمير المؤمنين، ثم قال : انصرف أبا عبد الله في حفظ الله، وقال لي : يا ربيـــع اتبع أبا عبد الله جائزته وأضعف له، قال [illegible]ـت فقلت أبا عبد الله تعلـم محبتي لك؟ قال : نعم

أنت يا ربيع منا حدثني أبي عن أبيه عن جده أن النبيﷺ قال : «مولى القوم من أنفسهم» فقلـــت يا أبا عبد الله شهدت ما لم تشهد وسمعت ما لم تسمع، وقد دخلت عليه ورأيتك تحرك شفتيك عند الدخول عليه، فهل هذا شيء تقوله من عندك؟ أو شيء تأثره عن آبائك الطيبين؟ قال : بلى حدثني أبي عن أبيه عن جده رضي الله عنه أن النبيﷺ كان إذا حز به أمر دعا بهذا الــدعاء : (اللهم احرسني بعينك التي لا تنام، واكنفني بركنك الــذي لا يرام، وارحمني بقدرتك علي، فلا أهلك وأنت رجائي، فكم من نعمة أنعمت بها علي قل لك بها شكري، وكم من بلية ابتليتني بها قل لك بها صبري. فيا من قل عند نعمته شكري فلم يحرمني، ويا من قل عند بليته صبري، فلم يخذلني، ويا من رآني على الخطايا فلـم يفضحني، يا ذا المعروف الذي لا ينقضي أبداً، ويا ذا النعماء التي لا تحصى عدداً، أسألك أن تصلي على محمد وعلى آل محمد، وبك أدرأ في نحور الأعداء والجبارين، اللهم أعني على ديني بالدنيا، وعلى آخرتي بالتقوى، واحفظني فيما غبت عنه ولا تكلني إلى نفسي فيما حظرته علي، يا من لا تضره الذنوب،

ولا ينقصه العفو، هب لي ما لا ينقصك، واغفر لي ما لا يضرك، إنك أنت الوهاب. أسألك فرجاً قريباً، وصبراً جميلاً، ورزقاً واسعاً، والعافية من البلايا، وشكر العافية) وفي رواية زيادة (وأسألك تمام العافية، وأسألك دوام العافية، وأسألك الشكر على العافية وأسألك الغنى عن الناس، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم). قال الحافظ السخاوي : سنده ضعيف جداً اه.

١٢ ـ ومنها : ما رواه العقيلي في الضعفاء وأبو يعلى والطبراني والبيهقي في الدعوات وفضائل الأوقات عن ابن مسعود رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : «ما من عبد ولا أمة دعا الله ليلة عرفة بهذه الدعوات ـ وهي عشر كلمات ـ ألف مرة إلا لم يسأل الله شيئاً إلا أعطاه، إلا قطيعة رحم أو مأثماً : سبحان الذي في السماء عرشه، سبحان الذي في الأرض موطئه، سبحان الذي في البحر سبيله، سبحان الذي في النار سلطانه، سبحان الذي في الجنة رحمته، سبحان الذي في القبور قضاؤه، سبحان الذي في الهواء روحه سبحان الذي رفع السماء، سبحان الذي وضع الأرض، سبحان الذي لا ملجأ ولا منجا منه

إلا إليه» قال البيهقي : زاد بعض رواته «أن تكون على وضوء فإذا فرغت من آخره صليت على النبي ﷺ واستأنف حاجتك» أي استأنف طلب حاجتك من الله، وادع بما شئت غير الإثم وقطيعة الرحم. وهذا الحديث ذكره ابن الجوزي في الموضوعات، وتعقب. والصواب أنه ضعيف.

١٣ ـ ومنها : ما رواه الحاكم عن عائشة رضي الله عنها. مرفوعاً «من قال الحمد لله رب العالمين أربع مرات، فإن قالها الخامسة، نادى ملك من حيث لا يسمع صوته : إن الله قد أقبل عليك فسله» أورده ابن الجوزي في الموضوعات، وتعقبه الحافظ في أماليه فقال : هو حديث حسن، وأيده بالحديث القدسي «من شغله ذكري عن مسألتي أعطيته قبل أن يسألني» وفي رواية «أعطيته أفضل ما أعطي السائلين».

١٤ ـ ومنها : ما رواه ابن منده في مسند إبراهيم بن أدهم عن عمر وعلي رضي الله عنهما قالا : قال رسول الله ﷺ : «من دعا بهذه الأسماء استجاب الله له : اللهم أنت حي لا تموت، وأنت خالق لا تغلب، وأنت بصير لا

ترتاب، وسميع لا تشك، وصادق لا تكذب، وغالب لا تغلب، وأبدي لا تنفد، وقريب لا تبعد، وغافر لا تظلم، وصمد لا تطعم، وقيوم لا تنام، ومجيب لا تسأم، وجبار لا تقهر، وعظيم لا ترام، وقوي لا تضعف، ووفي لا تخلف، وعدل لا تحيف، وغني لا تفتقر، وحليم لا تجور، ومنيع لا تقهر، ومعروف لا تنكر ووكيل لا تحقر، وقدير لا تستأمر، وفرد لا تستشير، ووهاب لا تمل، وسريع لا تذهل، وجواد لا تبخل، وعزيز لا تذل، وقائم لا تنام، ومحتجب لا ترى، وحافظ لا تغفل، ودائم لا تفنى، وباق لا تبلى، وواحد لا تشبه، ومقتدر لا تنازع»، وذكر في آخر الحديث أن من دعا بهذه الأسماء لأي شيء أجيب، وذكره ابن الجوزي في الموضوعات، قال: وقد روى من طريق مظلم فيه مجاهيل، وفيه زيادات ونقصان. قلت: الطريق الذي أشار اليه رواه أبو نعيم في الحلية، بإسناد واه.

١٥ - ورواه ابن النجار في تاريخه، وجاء في روايته «اللهم إني أسألك ولا أسأل غيرك، أرغب إليك ولا أرغب الى غيرك، وأسألك يا أمان الخائفين، وجار المستجيرين، مفيض الخيرات، مقيل العثرات، ممحي

السيئات، كاتب الحسنات، رافع الدرجات وأسألك بأفضل المسائل كلها، أعظمها وأنجحها الذي لا ينبغي أن يسألوك إلا بها، يا الله يا رحمن، وباسمك وبأسمائك الحسنى، وبأمثالك العليا، ونعمتك التي لا تحصى، وبأكرم أسمائك عليك، وأحبها إليك، وأشرفها عندك منزلة، وأقربها منك وسيلة، وأجزلها منك ثواباً، وأسرعها منك إجابة، وباسمك المكنون المخزون الجليل الأجل الأعظم الذي تحبه وتهواه، وترضى عمن دعاك به، وتستجيب له دعاءه، وحقاً عليك ألا تحرم سائلك وبكل اسم هو لك علمته أحداً من خلقك، أولم تعلمه أحداً، وبكل اسم دعاك به حملة عرشك وملائكتك، والراغبون إليك، والمتعوذون بك، والمتضرعون إليك، وبحق كل عبد متعبد لك في بر أو بحر أو سهل أو جبل، وأدعوك دعاء من اشتدت إليك فاقته، وعظم حزنه، وأشرف على الهلكة، وضعفت قوته، ومن لا يثق بشيء من عمل، ولا يجد لفاقته ولا لذنبه غافراً غيرك، ولا مغيثاً سواك، هربت إليك معترفاً غير مستنكف، ولا مستكبر عن عبادتك بائساً حقيراً متحيراً، وأسألك بأنك الله الذي لا إله إلا أنت

الحنان المنان، بديـع السماوات والارض، ذو الجلال والاكرام، عالم الغيب والشهادة، الرحمن الرحيم، أنت الرب وأنا العبد، وأنت الملك وأنا المملوك، وأنت العزيز وأنا الـذليل، وأنت الغني وأنا الفقير، وأنت الحي وأنا الميـت، وأنت الباقي وأنا الفاني، وأنت المحسن وأنا المسيء، وأنت الغفور وأنا المذنب، وأنت الخالـق وأنا المخلوق، وأنت القوي وأنا الضعيف، وأنت المعطي وأنا السائل، وأنت الآمن وأنا الخائف، وأنت الـرزاق وأنا المرزوق، وأنت أحق من شكـوت إليـه، واستعنت به وسألته ورجوته، كم من ذنب قد غفرت، ومن مسيء قد تجاوزت عنه، فاغفر لي وتجاوز عني» ثم تطلب حاجتك.

وهذا الحديث ـ وإن كان عظيماً يشتمل على جمل في توحيد الله وتنزيهه، والتضرع إليه ـ ليس بصحيح كما تقدم.

(قلت): هذه جملة من الأذكار والدعوات التي تقال عند عروض حاجة. لتقضي، وهي ـ كما ترى ـ ضعيفة جداً، بل منها ما أدرج في الموضوعات، وما تركناه منها أشد ضعفاً مما ذكرنا بخلاف حديث الضرير فإنه صحيح على شرط الشيخين كما تقدم، فيتعين العمل به دون غيره

مما ورد في هذا الباب[١]، لثبوته عن النبي ﷺ، ولعمل الناس به على مر الأزمان.

قال الحافظ السخاوي في القول البديع ـ ص ١٨١ ـ ما نصه: وأما الصلاة عليه ﷺ في الأحوال كلها، ومن تشفع بجاهه ﷺ وتوسل بالصلاة عليـه، فبلـغ مراده وأنجح قصده، وقد أفردوا ذلك بالتصنيف ومن ذلك حديـث عثمان بن حنيف الماضي وغيره، وهذا من المعجزات الباقية على مر الدهور والأعوام، وتعاقب العصور والأيام، ولو قيل إن إجابات المتوسلين بجاهه عقب توسلهم يتضمن معجزات كثيرة بعدد توسلاتهم لكان أحسن، فلا يطمع حينئذ في عد معجزاته حاصر؛ فإنه لو بلـغ ما بلـغ منها حاسر قاصر، اه.

وذكر القسطلاني في المواهب اللدنية أواخر الجزء الثاني في الكلام على الزيارة النبوية الشريفة أنه توسل بالنبي ﷺ

(١) نعم، يجوز استعمال تلك الأذكار التي أوردناها لمن أراد ذلك لكن لا يعتقد ثبوتها عن النبي ﷺ لأنها لم تصح عنه، وليس من شرط الـدعاء أن يكون وارداً فللإنسان أن يدعو بما شاء من غير تقييد ولا تضييق، وإن كان الدعاء بالوارد أفضل وعلى هذا يتعين العمل بحديث الضرير لمن أراد أن يتقيد بالوارد في هذا الباب.

في حادثة مرض به، وفي حادثة صرع بجاريته، فأجاب الله طلبه في كلتيهما عاجلاً بدون تأخير، والمقصود أن التوسل بالنبي ﷺ جائز في جميع الحالات، واستمر عليه عمل الناس منذ عهد الصحابة وهلم، لم يخالف في ذلك إلا ابن تيمية وقلده شذاذ من النجديين القرنيين في هذه العصور المتأخرة، فأوجدوا فرقة واختلافاً، وكان ظهورهم من جملة عوامل انحلال المسلمين، وضعف شوكتهم، وتشتيت كلمتهم، فلا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، ولله الأمر من قبل ومن بعد، يفعل ما يشاء، ويحكم ما يريد.

هذا آخر الجزء. نسأل الله أن يجعله خالصاً لوجهه الكريم، وأن يجعلنا وسائر أهلنا وعشيرتنا وأحبابنا من المقبولين لديه، وأن يستر عوراتنا، ويؤمن روعاتنا، وينجينا من آفات الوقت وأهواله، إنه سميع قريب مجيب، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً، والحمد لله رب العالمين.

امیرِ عالمی دعوتِ اسلامیہ، محقق العصر علامہ

مفتی محمد خان قادری کی دیگر تصانیف

۱. شاہکارِ ربوبیت
۲. ایمانِ والدینِ مصطفیٰ
۳. حضور کا سفرِ حج
۴. امتیازاتِ مصطفیٰ
۵. درِ رسول کی حاضری
۶. ذخائرِ محمدیہ
۷. محفلِ میلاد پر اعتراضات کا علمی محاسبہ
۸. فضائلِ نعلینِ حضور
۹. شرح سلامِ رضا
۱۰. حبیبِ خدا سیدہ آمنہ کی گود میں
۱۱. نورِ خدا سیدہ حلیمہ کے گھر
۱۲. نماز میں خشوع و خضوع کیسے حاصل کیا جائے؟
۱۳. حضور نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟
۱۴. اسلام اور تحدیدِ ازواج
۱۵. اسلام میں چھٹی کا تصور
۱۶. مسلکِ صدیقِ اکبر، عشقِ رسول
۱۷. شبِ قدر اور اسکی فضیلت
۱۸. صحابہ اور تصورِ رسول
۱۹. مشتاقانِ جمالِ نبوی کی کیفیاتِ جذب و مستی
۲۰. اسلام اور احترامِ والدین
۲۱. حضور رمضان کیسے گذارتے؟
۲۲. صحابہ کی وصیتیں
۲۳. رفعتِ ذکرِ نبوی
۲۴. کیا رسول اللہ ﷺ نے اُجرت پر بکریاں چرائیں؟
۲۵. حضور کی رضاعی مائیں
۲۶. ترکِ روزہ پر شرعی وعیدیں
۲۷. عورت کی امامت کا مسئلہ
۲۸. عورت کی کتابت کا مسئلہ
۲۹. منہاج النحو
۳۰. منہاج المنطق
۳۱. معارف الاحکام
۳۲. ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم
۳۳. ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم
۳۴. ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم
۳۵. ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم
۳۶. ترجمہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم
۳۷. ترجمہ اشعۃ اللمعات جلد ششم
۳۸. صحابہ اور محافلِ نعت
۳۹. صحابہ کے معمولات
۴۰. خواب کی شرعی حیثیت
۴۱. مزاحِ نبوی
۴۲. تبسمِ نبوی
۴۳. گریۂ نبوی
۴۴. مجلسِ نبوی
۴۵. فضائل و برکاتِ زمزم
۴۶. اللہ اللہ حضور کی باتیں
۴۷. جسمِ نبوی کی خوشبو
۴۸. کیا سگِ مدینہ کہلوانا جائز ہے؟
۴۹. ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی
۵۰. مقصدِ اعتکاف
۵۱. سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
۵۲. صحابہ اور بوسۂ جسمِ نبوی
۵۳. رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کو ترک فرمانے کی حکمتیں، مسئلہ ترک
۵۴. محبت و اطاعتِ نبوی
۵۵. آنکھوں میں بس گیا سراپا حضور کا
۵۶. نعلِ پاکِ حضور
۵۷. صحابہ اور علمِ نبوی
۵۸. روحِ ایمان، محبتِ رسول
۵۹. امام احمد رضا اور مسئلہ ختمِ نبوت
۶۰. احادیثِ توسل پر اعتراضات کا علمی محاکمہ

حجاز پبلی کیشنز مستا ہوٹل مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور